جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب	: روحِ سماع (شعری مجموعہ)
صوفی شاعر	: الفقیر الشاہ عارف القادری سلیمانی عفی عنہ
سکونت	: المطوطن فقیرنند ہلی، مقیم حال سونا پور، مالا پور، دھارواڑ، کرناٹک، (الہندی)
رابطہ	: 09448467215 / 09740357786
پروف ریڈنگ	: عبیدالرحمٰن صدیقی
طباعت	: 2014
تعداد	: 1100
صفحات	: 328
پریس	: حرمین آفسیٹ پریس دہلی
زیرِاہتمام	: الہدیٰ پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی-۲، 011-43259013
ناشر	: پیرِ طریقت حضرت سید شاہد الطاف شاہ قادری

سجادہ نشین آستانہ قادریہ نوریہ، خانقاہ قادریہ نوریہ سقافیہ، جامع مسجد جنگلی پیٹھ، پرانی ہبلی، ہبلی کرناٹک

موبائل: 09448467215

ویب سائٹ: www.noor-e-sufiislam.com

Rooh-e-Sima

(A collection of Poetry)

By: Shah Ariful Qadri Sulemani

☆☆☆

Published By:

ALHUDA PUBLICATIONS

2982, Kucha Neel Kanth, Qaziwara, Daryaganj, N. Delhi-2

Mobile : 08010503999 / 08459026205

Email: alhudapublications@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلّی علیٰ رسو له الکریم

حضرت شاعر کا مختصر تعارف

سرزمین دکن کے شہر ہانگل شریف میں آپ کی ولادت 1/6/1950 بوقت صبح صادق ہوئی۔ اس بستی میں ہی سرکار شمس العلماء اعلیٰ حضرت عظیم البرکت حضرت سید مقبول احمد شاہ قادری کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مستقل قیام فرما تھے اور جن کے سائے میں آپ کا بچپن گزرا۔ موصوف صوفی شاعر کا سلسلۂ نسب مشہور زمانہ قطب الاقطاب مرجع سلاطین انام فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت شاہ محمد قاسم سلیمانی قادری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ آستانہ قصبۂ ٹکور، بستی چنار شریف ضلع مرزا پور (یوپی) کے بڑے شہزادے حضرت کبیر المشتہر بالا پیر رحمۃ اللہ علیہ قنو جی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے، آپ کی اولادیں اللہ کے دین کی تبلیغ واشاعت کا عظیم فریضہ انجام دیتے ہوئے دکن ہندوستان کے ریاستِ شہنور قصبہ فقیر نندی ہلّی کو اپنا مسکن بنالیا۔ والیان ریاستِ شہنور نے آپ کی بڑی قدر کی آج بھی اس قصبۂ فقیر نندی ہلّی میں آپ کے اجداد کے آستانے مرجعِ خلائق بنے ہوئے ہیں۔

الحمدللہ! آپ کو صغیرسنی ہی سے شعر گوئی اور نعت گوئی کا بڑا شوق تھا اسی فطری شوق نے آپ کو کمسنی میں ہی نعت وقصائد لکھنے پر آمادہ کیا اور آپ کے صبح وشام ہانگل شریف میں اعلیٰ حضرت شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بافیض میں گذرنے لگے، سرکارِ کشمیری نے جب آپ کا نعتیہ کلام سُنا تو برجستہ فرمایا! یہ بچہ کس کا ہے؟ کیونکہ آپ کی عمر اُس وقت محض تیرہ سال کی

تھی، تو آپ کے نانا انورالدین صاحب نے کہا کہ یہ میری بھانجی کا بیٹا ہے، یہ سُن کر اعلیٰ حضرت کشمیریؒ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس بچے کہ قلم میں تاثیر وشفاء عطاء فرمائے گا۔ سبحان اللہ! آپ کی دعاوں کی برکت سے علم وعرفان کا وہ چشمہ پھوٹا کہ آپ کے قلم کا جوہر شعری مجموعہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آپنے سرِ دست شعری مجموعہ بنام ''روحِ سماع'' اپنے پیرِ محترم کی خدمتِ صالحہ میں محض بتیس (۳۲) سال کی عمر میں مکمل لکھ رکھا تھا۔ الحمدللہ! امسال اس کی اشاعت کا خیال آیا تو از سرِ نو اس کو ترتیب دیکر شائقینِ سماع کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، اس اُمید کے ساتھ کہ اللہ اس مجموعہ کو حقیقی حال و وجد کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

الفقیر سید شاہد القادری سجادہ نشین آستانہء قادریہ نوریہ
جنگلی پیٹ، پرانی ہبلی، کرناٹک (الہند)
رابطہ: 09449087215

انتساب

امامِ اربابِ طریقت،
پیشوائے اصحابِ حقیقت،
مُستغرق درذاتِ ذُوالجلال، ناطق بِاللسانِ احوال
سراج المحققین برہان العاشقین قطب الاقطاب
خواجۂ خواجگان ہندالولی عطائے رسول ﷺ
حضرتِ مُعین الحق والدین چشتی رضی اللہ عنہ
اور
سلاطینِ چشتیہ اہل بهشتیه کے نام!

گر قبول افتد زہے عز و شرف

الفقیر الشاہ عارف القادری سلیمانی عفی عنه
المطوطن فقیر نند ہلی، مقیم حال سونا پور، مالا پور، دھارواڑ، کرناٹک، (الہندی)
رابطہ: 09448467215/ 09740357786

حمد و نعت پاک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ

اللہ نورِ ارض و سماء تیری ذات ہے
ہر رنگ میں، ہر شئے میں، نہاں تیری ذات ہے

روشن ترا چراغ ہے قندیلِ حسن میں
تو عشق ہے کہ حسن کی جاں تیری ذات ہے

ہر سمت کا قبلہ ترے جلوؤں کا نام ہے
ہر چیز میں وحدت کا نشاں تیری ذات ہے

انساں کی شرافت میں ترا علم نور ہے
آدم کی خلافت میں عیاں تیری ذات ہے

تیرا ظہورِ نور ہے تخلیق کا باعث
مخلوق کے باطن میں نہاں تیری ذات ہے

رزّاق تو، رحیم تو، رب تو، قدیر تو
ہر شئے میں مگر جلوۂ جاں تیری ذات ہے

عارفؔ کی آرزو کو وفا کا شعور دے
ہادی تو ہدایت کا نشاں تیری ذات ہے

حمدِ پاک

جمالی یا جلالی ہے کہ فعلی یا صفاتی ہے
تمام اسماء کا جامع ہے تو تیرا نام ذاتی ہے

ترے اسماء ہی پاکیزہ مظاہر کی تجلی ہیں
ہر اِک مظہر میں ظاہر تیری صورت جگمگاتی ہے

تمام اشیاء میں شامل تیری قدرت کا کرشمہ ہے
حقیقت میں تو حق ہے اور حقیقت خود دکھاتی ہے

عجب ہے نام کی برکت عجب ہے جامعیت تیری
کہ تیری ذات میری ذات کا پرتو بناتی ہے

نعت پاک

قبر میں کب قید رہ سکتے ہیں مردانِ خدا
لے گئے ہیں جان اپنی جانِ جانانِ خدا

آپ ہی سے آپ ہی کے عشق کو لایا شفیع
آپ کا ثانی کہاں سایا ہے قرآنِ خدا

چند آہیں، چند آنسوں، چند سجدوں کی نماز
بس یہی تو ہے مری جھولی میں سامانِ خدا

ایک میں، اور ایک تو ہے، درمیاں توحید ہے
دیکھتا ہی رہ گیا حیرت سے میں شانِ خدا

تیرے اس کے درمیاں ہے ایک لمحہ کا بُعد
بوالہوس! کرتا نہیں کیوں عہد و پیمانِ خدا

اس جہاں میں اُس جہاں کا خواب اچھا ہے مگر
دیکھتے ہیں ہم بھی عارفؔ آج احسانِ خدا

نعتِ پاک

مرے دل میں مری جاں نے جمالِ مصطفیٰ دیکھا
بنا کر خود کا مظہر خود کے مظہر کو خدا دیکھا

نزولِ حق کا جلوہ آپ ہیں افکارِ باطل پر
محمد کی شکل میں میں نے نورِ کبریا دیکھا

محمد سے جدائی جسم سے جاں کی جدائی ہے
زوالِ اُمتِ مرحوم میں نے جابجا دیکھا

نکل جائے نبی کا خوف گر سینے سے اے ناداں
بچا کیا؟ اس لئے غیروں کی ٹھوکر میں پڑا دیکھا

زمین و آسماں کو شرف حاصل ہے محمد سے
شبِ معراج کیا ہے کہ نبی نے آئینہ دیکھا

کہاں ناقص نظر میں تاب ہے دیدارِ احمد کی
نبی کے حسن کو دیکھا تو حسنِ کبریا دیکھا

اے عارفؔ صورتِ دونوں جہاں میں آپ معنٰی ہیں
مع اللہ میں نہ پوچھو میں نے کیسے اور کیا دیکھا

نعتِ پاک

یہ سچ ہے آپ آدم مظہرِ ذات محمد ہیں
یہ جلوۂ جہاں آراء کمالات محمد ہیں

جہاں میں، دائرۂ موجود میں جلوہ نبی کا ہے
حقیقت میں ہر اِک شئی علم وآیاتِ محمد ہیں

یہ نورِ علم اور نورِ وجودِ یار سے روشن
زمین و آسماں کیا ہیں؟ کراماتِ محمد ہیں

رسائی عقل وفکروفن کی احمد میں نہیں ممکن
سمجھ میں آ نہیں سکتے وہ حالاتِ محمد ہیں

خدا کے بعد کیسے اور کہاں تھے کچھ نہیں معلوم
یہاں ہر شکل میں لیکن نشاناتِ محمد ہیں

وہی جو رُتبۂ اطلاق سے نازل ہوئے لیکن
محمد کی شکل میں خود سوالاتِ محمد ہیں

کبھی فاعل کبھی مفعول میں دیکھا وہی جلوہ
کہ اقوالِ خدا عارفؔ مقالاتِ محمد ہیں

حقیقت محمدی ﷺ

شریعت میں محمد کو کوئی سمجھا تو کیا سمجھا
حقیقت میں محمد کا جو خالق ہے خدا سمجھا

جنہیں کہتے ہیں عقل کل وہی ہیں منبع انوار
کہ جملہ انبیاء و اولیاء اس نور کا اظہار

وہی تو لاتعین تھے تعین سے متعین ہیں
یہاں موجود ہر شئی میں وہ ظاہر ہیں وہ باطن ہیں

وہی ہیں نور سے پرنور وہ خورشید اعظم ہیں
خدا خالق محمد کا محمد روحِ عالم ہیں

وہی آدمی سے ابراہیم تک نورِ نبوت ہیں
ازل سے ہم غریبوں کیلئے وہی بارانِ رحمت ہیں

وہی ملبوس آدم میں وہی عرفان گندم میں
وہی تھے نوح میں، کشتی میں، وہ بحرِ تلاطم میں

وہی تھے صورتِ یوسف وہی تھے جامۂ یوسف
وہی حسنِ زلیخا ہیں، وہی ہنگامۂ یوسف

وہی تھے نورِ یعقوبی وہی تھے صبرِ ایوبی
وہی تھے آتشِ نمرود میں ارمانِ محبوبی

ہوئے اشیاء ارادۂ ازل اور علم سے ظاہر
وجود شئی حقیقت میں نبی کے نور کا مظہر

بشر کی شکل میں آنکھوں نے دیکھا ہے محمد کو
حقیقت میں کوئی عارف ہی سمجھا ہے محمد کو

اگر تو بشریت دیکھا نہیں دیکھا نہ سمجھا ہے
کمالِ نور ازلی نور سے ہی دیکھ سکتا ہے

وہی ہے عینیت میں عین جامع برزخِ کبریٰ
متعین ہو چکا ہے احدیت کی ذات کا جلوہ

وہی اسماء حسنہ کل مراتب میں ہیں پوشیدہ
وہ جامع نفس ہیں اور روح ہیں، وہ قلب سنجیدہ

حقیقت میں وہی باطن حقیقت میں وہی ظاہر
نبی ہر چیز کے اندر نبی ہر چیز کے باہر

حقیقی نور ہے شئی میں مقید ہو کے بندہ ہیں
وہی ہیں نورِ مطلق کون سمجھا ہے کہ وہ کیا ہیں

وہی تھے گنج مخفی میں، نکل آئے تو ظاہر ہیں
وہی تو بشریت اور نور سے معمور مظہر ہیں

محمد کی حقیقت عقل سے سمجھا نہیں کرتے
اگر عارف کوئی سمجھے تو وہ دعویٰ نہیں کرتے

نعت پاک

تیرا خدا جہاں ہے وہاں ہے نبی مرا
وہ رب کا آئینہ ہے رب اُس کا آئینہ

میں ڈوب کرخودی میں تجھے پاؤں گا ضرور
تو بحرِ بے کنار ہے میں تجھ سے ملوں گا

بے نفس ہوکے آیا ہوں تیرے حضور میں
تو گر قبول کرلے مرا کام ہوگیا

لایا ہے تیرا عشق مجھے تیرے بام پر
للہ کچھ تو دیدے ترے حسن کا صدقہ

رتبہ نہیں مقام نہیں میری راہ میں
بس تو ہی ابتداء ہے مِری تو ہی انتہاء

اک دل ہے میرے پاس بلا حجت ودلیل
عارفؔ نے پیش کردیا اب فیصلہ ترا

نعت رسول مقبول ﷺ

تمہیں نے لایا تمہیں سے پایا تمہارے ٹکڑوں پہ جی رہا ہوں
یہی ہے رُتبہ، یہی ہے قسمت، تمہارے در پر پڑا ہوا ہوں

ترے کرم کا یہ فیصلہ تھا قوی ہوا ہوں غنی ہوا ہوں
نہیں ہے حاجت کسی کی مجھ کو ازل سے میں تیرا آشنا ہوں

جو دل جلال وجمال میں تھا وہی تو تیرے حضور لایا
نقاب اُٹھا کر جلادے مجھ کو کلیم ہوں تیرا آئینہ ہوں

بجھا بجھا سا ہے دل ابھی تک گھٹی گھٹی سی ہے سانس میری
بغیر تن کے میں روح بن کر تمہاری محفل میں آچکا ہوں

نہ ذکر جسمی نہ فکرِ قلبی قرار کیسا شمار کیسا
تری حقیقت سے دل بنا کر یہ دل کو تجھ پر فدا کیا ہوں

کمینی دنیا کی چاہ کیا ہے ترے سواء کوئی راہ کیا ہے
مگر میں عارفؔ ازل سے اب تک ترا ہی بندہ بنا ہوا ہوں

نعتِ سلطانِ مدینہ ﷺ

شاہِ رسل شفیع اُمم مصطفیٰ ہیں آپ
نور خدا ہیں مظہر ذات خدا ہیں آپ

یہ عقل کیا ہے، دیپ ہے سورج کے سامنے
کیا عقل دیکھے آپ کو شمس الضحیٰ ہیں آپ

دیدارِ مصطفیٰ ہی تو دیدارِ خدا ہے
دل اور جاں کا نور ہیں نور الہدیٰ ہیں آپ

شاہد ہیں عیسیٰ حضرت موسیٰ سے پوچھئے
انجیل میں توریت میں نور خدا ہیں آپ

نعتِ رسول ﷺ

فخرموجودات، تیری ذات ختم مرسلین
اۓ حبیبِ کبریا خیرالوریٰ نورِ یقین

مطلعِ انوار حسنِ ذات نقشِ محترم
مظہرِ نورِ خدا تصویرِ حق خیرالامم

رازِ حق تنویرِ وحدت افتخارِ انبیاء
ماہِ انور جسمِ اطہر تاجدارِ انبیاء

کاملِ عرفان ہستی حاصلِ کون ومکاں
کاشفِ اسرار، رمزِ ذات حسنِ جاویداں

برزخِ کبریٰ، طٰہٰ یٰسین، عقلِ کل، کریم
جانِ رحمت روحِ راحت مرضِ امت کے حکیم

معجزاتِ انبیاء میں نورِ قدرت آپ ہیں
باعثِ تخلیقِ آدم سرِّ حکمت آپ ہیں

رحمۃ العلمیں رحمٰن کا دامن ہوئے
دونوں عالم آپ کے انوار سے روشن ہوئے

نعت شریف ﷺ

شاہِ لولاک ختمِ نبوت ہو تم
مظہرِ نور، قرآں کی صورت ہو تم

حسن اور عشق میں آپ جلوہ نما
دو جہاں میں کمالِ ضرورت ہو تم

نورِ سیرت پہ قرآن نازل ہوا
کون سمجھا تمہیں رازِ وحدت ہو تم

آ بتادے ذرا جلوہ گاہِ ازل
عشق کی راہ میں حُسن قدرت ہو تم

عشق ظاہر میں ہو حسن باطن میں ہو
نور ہو ذات میں رازِ وحدت ہو تم

ہم سے ممکن نہیں ہے ثنائے نبی
گنجِ مخفی کی نایاب دولت ہو تم

کردو عارفؔ پہ آقا نگاہِ کرم
درد کی دھوپ میں ابرِ رحمت ہو تم

نعتِ مطہرہ بہ بارگاہ خیر الامم ﷺ

تیری صورت ہے یٰسین و رحمٰن میں
نور تیرا ہے میری رگِ جان میں

رنگ و بوئے جہاں میں ترا حسن ہے
تیری جلوہ نگاری ہے قرآن میں

تو حسینوں کی رعنائیوں سے حسیں
فکر تو دین میں نور ایمان میں

بزمِ عالم میں روحِ رواں آپ ہیں
علم ہیں آپ اسرار و عرفان میں

تو ہی منزل ہے اہلِ وفا کے لئے
کون ہے جو نہیں تیرے احسان میں

ٹوٹ جائے گا جب یہ طلسمِ جہاں
تو ہی حامی ہے محشر کے میدان میں

دل میں رہتا ہے اکثر ترا اضطراب
آ کے ڈھل جا تو عارفؔ کے ارمان میں

نعتِ رسول مقبول ﷺ

میں خاک ہو چکا ہوں محمد کی چاہ میں
مٹی مری ملا دو مدینے کی راہ میں
یہ آخری گھڑی ہے ذرا موت ٹھہر جا
آنے کو ہیں حضور ہماری نگاہ میں

میرے کریم ہیں وہ مرے دلنواز ہیں
رہنے نہ دیں گے مجھ کو وہ بحرِ گناہ میں
مجھ کو ضرور در پہ بلائیں گے مصطفیٰ
فریاد میں نے بھیج دیا دل کی آہ میں

جینا فراقِ یار میں کیا جرم نہیں ہے؟
مجرم ہوں، مجھے دیدو نبی کی پناہ میں
عارف ترے دیدار سے محروم نہیں ہے
آتے ہیں فرشتے بھی تری جلوہ گاہ میں

شانِ محمد ﷺ

حشر میں نزع میں دنیا میں سہارا تو ہے
وہ جو قندیل میں چمکا تھا ستارہ تو ہے
دونوں عالم میں سعادت ہے گھرانہ تیرا
خالی ہوتا نہیں رحمت کا خزانہ تیرا

عشق کا درد جگاتی ہے نگاہِ مومن
قلب کو عرش بناتی ہے نگاہِ مومن
ہم کو دیتا ہے محمد سے وفا کی تعلیم
علمِ مومن ہے حقیقت میں خدا کی تعلیم

دل کو تو زخمِ محبت سے ہرا رکھا ہے
زخم کیا ہے کہ وہ اسرار خدا رکھا ہے
ہے مخنث کی طرح طالب دنیا لوگو
مردِ مومن ہے یہاں عاشق مولیٰ لوگو

نعت پاک

نیند دیدار ہے بیداری عبادت تیری
دونوں عالم میں محمد ہے خلافت تیری

تو شریعت کا نگہبان ہے عادل، منصف
معرفت اور طریقت ہے حقیقت تیری

ضوفشاں تیری تجلی ہے دونوں عالم میں
شیشۂ مظہرِ حق، خلق میں صورت تیری

کیمیاء تیری نظر اہل محبت کے لئے
دعویٰ رحمت میں کیا کرتی ہے امت تیری

بتکدہ نفس کا ڈھانے کو تصور ہے ترا
تیرے اذکار میں پوشیدہ ہے صورت تیری

کاش کہ تیری محبت میں فنا ہوتے ہم
ہوتی عارفؔ پہ بھی مخصوص عنایت تیری

منقبت درِشانِ مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

ہے شہر ولایت علی مرتضیٰ
نبی کی حقیقت علی مرتضیٰ

زمیں و زماں ہے کرشمہ ترا
رہنمائے طریقت علی مرتضیٰ

جلالِ ولایت ترے گھر سے ہے
جمالِ نبوت علی مرتضیٰ

تمہاری ہے صورت حسن اور حسین
نبی کی وراثت علی مرتضیٰ

نبی لامکاں میں ہیں رازِ عظیم
مکاں میں ہیں عظمت علی مرتضیٰ

ابتداء انتہا میں ہے سِرّ انا
اور انا میں ہے قدرت علی مرتضیٰ

ذاتِ عصمت کے عارفؔ وہی تو ہوئے
ہے محمد کی صورت علی مرتضیٰ

ارشادِ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ

ارشادِ علی ہے کہ خدا ایک و یکتا
تعلق نہ کسی جنس سے نہ جنس کے جیسا

مخلوق پر قیاس کیا جائے تو غلط
وہ دور بھی قریب بھی اور عقل سے جدا

وہم وفہم سے دور ہے شئی پر نہیں مقیم
مخلوق میں نہ ڈھونڈیئے اوصافِ کبریاء

تاویل و شرح حکمِ خدا میں نہ کیجئے
ملحد کا کام کرکے مسلماں نہیں بنا

کافی ہے اسکی ذات کا عرفان ائے عارفؔ
علم و عمل کا شیوہ تقاضا ہے دین کا

بنام امام حُسینؓ

برزخ ، وذات ، شوق وتصور ترا مقام
توحضرت انسان ہے لاہوت کا امام
اکسیرو سونا سنگ مساوی تیرے لئے
تو فقرعشق وصبر ہے میں عقل ناتمام
تیری شراب کیا ہے شراباً طہور ہے
ساقی تیری نظر ہے ازل اور ابد کا جام
پرواز فقر کرتا ہے دونوں جہان میں
تو فرش کا خلیفہ کبھی عرش کا امام
عرفانِ بندگی میں اللہ کا نور تو
ہر سانس میں صد سالہ عبادت ہے تیرا کام
مشہود کا یقین تُو اسرار کا حکیم
دانائے رمز و حکمت و انوار کا امام
مستی و حا ل عشق محمد کی ضیاء ہے
آدم میں صفی، فقر، فرشتوں میں احترام
قرآن میں ہے فقر کی تعریف یَحزَنُونَ
یعنی فقیر کیا ہے؟ کہ شمشیر بے نیام

منقبت درشانِ غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ

وہ شاہد و مشہود ہیں کامل فقیر ہیں
پیروں کے پیر صاحبِ روشن ضمیر ہیں

توحید و عرفان میں بدر منیر ہیں
ہر اک ولی کے قلب ونظر کے امیر ہیں

ہر نعمت عظمیٰ بھی ہے عبد قدیر کی
لوحِ ضمیر کس کی ہے پیرانِ پیر کی

وہ حاضرِ حضورِ خدا شاہدِ جمال
برزخ پہ حکومت ہے مرے دستگیر کی

واللہ اُس نگاہ کی تاثیر کیا کہوں
مردوں کو جلاتے ہیں مرے پیر کیا کہوں

تم دیکھتے ہو آج بھی ہر شئے کو بے حجاب
ہم بھی تو تمہیں دیکھیں اُلٹ دیجئے نقاب

توحید کے اسرار میں وہ سرفراز ہیں
یعنی مقامِ سرّ الٰہی کا راز ہیں

وہ ذات میں ہیں، دل میں ہیں، اسرارِ نور ہیں
وہ روح میں جمال، خفی میں سرور ہیں

وہ عالمِ ہویدا سویدا کے پیر ہیں
ہر شئے کو دیکھتے ہیں وہ روشن ضمیر ہیں

کامل ہیں وہ کمالِ نبوت کا فیض ہیں
آدم کی شرافت میں خلافت کا فیض ہیں

ارواح کے عالم میں ہیں وہ عالم القلوب
امت میں شرفِ عبد ہیں وہ ذات میں محبوب

اسرار کے عالم ہیں وہی عالم الخفی
وہ عالمِ باطن ہیں ہدایت کی روشنی

ہر علم و انکشاف کے عالم وہی امیر
اسرار فقر خود ہیں وہی قادری فقیر

عارفؔ وہ خود کرم ہیں کرم پر کرم کریم
حکمت میں بے نظیر ہیں لقمان کے حکیم

منقبتِ شانِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

قُم بِاذنِ اللّٰہ سے عیسیٰ مگر منصوص تھا
قُم بِاذنی غوثِ اعظم کیلئے مخصوص تھا

اِنا فتحنا لک کی آپ بھی تفسیر ہیں
اور محمد مصطفیٰ کے نور کی تنویر ہیں

آپ کا ظاہر و باطن نور سے پر نور ہے
آپ کی ہر بات طالب کو ریاضِ طور ہے

زندگی بخشی عمل کو علم کی تعبیر سے
دین کو روشن کیا ایمان کی تاثیر سے

فرد تھے فردانیت میں ذات یکتا کی طرح
آپ کے حالات تھے حالاتِ یکتا کی طرح

انبیاء کی شان تیری ہستیٔ واحد میں ہے
تو مگر ایک راز بن کر جلوۂ شاہد میں ہے

نفس کی عیاریوں کو ہم پہ ظاہر کردیا
مؤمنوں کو رہنمائے فقر کا جوہر دیا

عشق تیرا کام ہے قائل خدا کی ذات ہے
تو ہی اسرارِ حقیقت ہے خدا کا ہاتھ ہے

تو بظاہر آنکھ سے پوشیدہ ہے اسرار میں
بے بدل ہے تیرا رتبہ عشق کی سرکار میں

قل ھو اللّٰہ سے ھوالحق میں کامل ہوگیا
قتل کر کے نفس کو وحدت میں شامل ہوگیا

منقبت درشانِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

ہر لمحہ تیری فکر تھی عرفانِ خدا میں
تونے حیات پائی ہے قرآنِ خدا میں

اخلاص تیرا روحِ خضر کا ہے شاہباز
تیری نماز نوح کی پیغمبری کا راز

تیری نظر پہ عظمتِ کعبہ کو ناز ہے
تیرا خیال فقر و فاقہ نماز ہے

عرفاں میں محمد ہیں تو اسرار میں خدا
ملتا ہے تیرے جلوۂ دیدار میں خدا

تیرا خیال وخواب عبادت سے کم نہیں
تیرا مجاہدہ بھی شہادت سے کم نہیں

تو نفس مطمئنہ ہے تو صاحبِ امر
تیری زباں میں کن کی صداقت کا ہے اثر

تو صاحبِ کمال ہے تو ختمِ فقر ہے
تو نعمت عظیم ترا فقر شکر ہے

عارفؔ کا دین قادرِ قدرت نما ہے تو
ٹوٹے ہوئے دلوں کا فقط آسرا ہے تو

منقبت درشانِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

غوثِ اعظم سرِّ وحدت اہلِ عرفاں کے امیر
نورِ چشمِ مصطفیٰ ، قلبِ صفا، روشن ضمیر

عبدِ قادر قادری حسنی حسینی آپ ہیں
حیدر و زہرہ کی جانِ نورِعینی آپ ہیں

شاہ دنیا اور دیں مشکل کشا نوری ہیں آپ
سرِّ نورِ مصطفیٰ نورِ خدا، نوری ہیں آپ

عظمت وحکمت حقیقت آپ سے کامل ہوئی
دین ودنیا کی سعادت آپ سے حاصل ہوئی

عارفؔ حق کے پسر ہیں عصمتِ مریم کی جاں
تم سخی ہو تم غنی بحرِ سخاوت بے گماں

احمد مختار کیا ہیں انبیاء کا تاج ہیں
اورمرے سرکارِ جیلاں اولیاء کا تاج ہیں

از ازل ہیں زیرِ پائے غوث سارے اولیاء
تا ابد ہوں گے ہمارے غوث سرِّ کبریاء

قادری کیا ہے؟ نشانِ قدرتِ قادر ہے یہ
اہلِ عرفاں ہیں بہت عرفان کا جوہر ہے یہ

منقبت حضرت شاہ جیلاں رضی اللہ عنہ

تیری طاعت و ولایت و عنایت دیکھی
تو مراقب تھا محاسب تھا غنایت دیکھی

تو ہی کاشف تھا کہ انوار و کرامت واللہ
تو ہی فانی ہے محمد میں تو باقی باللہ

روح میں سرّ میں تمثُّل میں خفی میں تو ہے
تو محبت میں ہے اذکارِ جلی میں تو ہے

استقامت میں تصرف میں ہے تجرید میں تو
تو ہے اُمید میں اور خوف میں تفرید میں تو

اولیاء کیا ہیں کہ منزل پہ نظر رکھتے ہیں
شاہِ جیلان مگر دل پہ نظر رکھتے ہیں

کر نہ انکار وہی قبض بسط کرتے ہیں
وہ تو ولیوں کی ولایت بھی ضبط کرتے ہیں

وہ مقامات مرے غوث کے سبحان اللہ
دلِ عارفؔ ہے کہ کہتا ہے فقط **اِلَّا اللہ**

یا غوث اعظم المدد

❋

شاہِ جیلاں کی زباں سیف علی — آپ کی ہر بات ہے حکم جلی
تو جلالی اور کرم تیری زباں — روزِ اول کا قلم تیری زباں
تیرا ہر اک حکم ہے کُن کی طرح — تیرا ظاہر حال باطن کی طرح
تو اگر چاہے زباں تلوار ہو — آتش و انوار ہو گلزار ہو
چشم کیا؟ تاثیر ہے اللہ کی — اور نظر تکبیر ہے اللہ کی
بے ریا ہیں آپ فقرِ رہنما — قادری طلباء کے ہادی پیشوا
تم حضورِ حق میں عشق و نور ہو — باب سرِّ ذات پر معمور ہو
آپ کو حاصل ہے فقرِ بے نیاز — دوجہاں کی نعمتوں سے سرفراز
عالَمِ ارواح میں وہ راز ہیں — عالَمِ اقدس میں وہ شہباز ہیں

قادری عارفؔ ہوں مجھ کو غم نہیں
قادری قطرہ ہوں میں شبنم نہیں

منقبت درشان تاجدارِ ولایت

شاہِ جیلاں فخرِ مرداں غوثِ صمدانی ہوئے
آسمانِ علم و عرفاں قطبِ ربّانی ہوئے

دونوں عالم تھے مسخر قادری شہباز سے
تیز تھے رفتار میں جبرئیل کی پرواز سے

عشقِ حاضر آپ ہی ہیں تربتِ مداح میں
آپکو حاصل ہے قدرت برزخِ ارواح میں

حالِ اقدس آپ کا ملکوت میں مشہور ہے
وہ کریمی، وہ رحیمی، وہ جلالی نور ہے

حاضر و مشہود ہیں وہ عشق ہیں اسرار ہیں
دستِ قدرت کا منوّر پیکرِ شہکار ہیں

حاصلِ تحقیق ہے، یہ فقرِ سلطانی کا راز
ذکر سے ہوتی ہے تیرے عشق والوں کی نماز

فقر تیرا ہے حقیقی رازِ حق تیرا وجود
تو مقامِ سِر میں ہے پنہاں وجودِ باوجود

تو عناصر سے جدا کرتا ہے حق کی ذات کو
عقل کیا سمجھے گی تجھ کو اور ترے حالات کو

تیری تقریر و بیاں کیا ہے؟ کہ یزداں کی زباں
جذب ہے ہاتھوں میں تیرے دستِ قدرت کا نشاں

تیری خاموشی ہے کیا؟ اسرارِ حق گویا ہے تو
ظاہراً بغداد کی محفل میں ہے تنہا ہے تو

غیرِ حق و عزّتِ دنیا کو تُو ٹھکرادیا
اپنے عارف کے لئے عرفان کا تحفہ دیا

غوثِ جیلاں رضی اللہ عنہ

عبدِ قادر شاہِ جیلاں قدرتِ قادر ہیں آپ
وصف ہیں ستاؔر میں ایوب میں صابر ہیں آپ

موڑ دیتا ہے قضا کو اک اشارہ آپ کا
عبد کے ملبوس میں مختار کا مظہر ہیں آپ

شان شافی دست کا فی روح باقی آپ کی
رحمتُ اللعالمیں کے مظہرِ انور ہیں آپ

آپ کے فقراء کی عظمت کا بیاں ممکن نہیں
آپ کی تعریف کیا ہو عقل کے رہبر ہیں آپ

آپ کے قدموں کو بخشی برتری اللہ نے
شرع میں ہیں عبد لیکن پنجۂ قادر ہیں آپ

ابتداء محبوبیت کی انتہائے بایزید
بابِ اسرارِ الٰہی پر مقام سِر ہیں آپ

فقر کی ف ق ر کو لامکاں تک لے گئے
ہم فقیروں کے غنی ہیں فقر کے رہبر ہیں آپ

سر دیا ہے راہِ حق میں آپ کے اجداد نے
دل دیا ہے آپ نے کہ دلبرِ داور ہیں آپ

قادری فقراء کبھی خلوت میں رہ سکتے نہیں
روحِ بزمِ عشق ہیں کہ شمعِ انور ہیں آپ

قادری تقدیر سے شکوہ نہیں کرتے کبھی
کاتبِ تقدیر کے انوار کا جوہر ہیں آپ

ہم جلیسِ برزخِ کبریٰ فقیروں کو کیا
دوجہاں میں امر ربی حکمتِ قادر ہیں آپ

قادری دونوں جہاں میں عشق کا شہباز ہے
یہ کرم ہے آپ کا کہ روحِ طاقتور ہیں آپ

عبدِ قادر مصطفیٰ کی برکتوں کا نام ہے
روحِ عارفؔ کے لئے انوار کا مظہر ہیں آپ

پیر بسطام رضی اللہ عنہ

پیر بسطام کا انداز وفا مل جاتا
اسکے صدقے میں مسلماں کو خدا مل جاتا

حق کو ظاہر کیا دیوانہ چھپا کر خود کو
حق کو باقی کیا مستانہ مٹا کر خود کو

اپنی ہستی کو اگر ہستی سمجھتا دانا
کفرِ باطل سے یقیناً نہ ابھرتا دانا

بنام حضرتِ رابعہ بصری رضی اللہ عنہا

ہم رنگ نہیں ہوتے اگر ظاہر و باطن
ہوتا ہی نہیں دل تو کبھی عشق میں ساکن

رقبہ مشاہدہ نہ محبت نہ ریاضت
گر قربِ حق نہیں تو نہیں کوئی عبادت

حرص و طمع حسد و تکبر نہ جائیں گے
نمرود کی آتش ہے یہ تجھ کو جلائیں گے

نہ تزکیۂ نفس ہے نہ تصفیۂ دل
نہ روح کی تجلی ہے نہ تخلیہ کامل

دیدار کے لائق ہی نہیں بے حضورِ حق
خود کے بھی وہ قابل نہیں محرومِ نورِ حق

وہ زن تھی مگر مرد کی ہم شان رابعہ
توحید میں توحید کا عرفان رابعہ

رقبہ و فکر و کشف کا عالَم نہ پوچھئے
کس طرح نورِ حق میں ہوئی ضم نہ پوچھئے

وہ پردۂ خفا میں نہاں نعمت عظمیٰ
توحید کے مقام میں وہ حسن کبریاء

قول و عمل و فعل میں وہ مردِ حق نما
اہلِ وصالِ حق میں ہے شہزادی عظیمہ

طئے کر چکی تو منزلیں حق اور صفات کی
تو عاملہ و کاملہ اسماء ذات کی

اندام ہفت پاک تھے تیرے وجود میں
آتی تھی اناالحق کی صدائیں سجود میں

تو شاہدۂ ذات تھی تُو حاضرِ حق تھی
حق بات ہے حق پر تھی مگر ناظرِ حق تھی

وہ فاطمہ کا ناز وہ مریم قلندرہ
عارفؔ حضورِ حق میں ہوئی گم قلندرہ

بنامِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

لسانی قلبی و سرّی بھی ذکر ہوتے ہیں
کچھ ایسے لوگ ہیں جو اہلِ فکر ہوتے ہیں

تو اہلِ فکر تھا حاضر خدا کے ساتھ سدا
مقامِ قرب میں کرتا تھا حق سے بات سدا

شوقِ دیدارِ الٰہی میں مگن رہتا تھا
تو عناصر ہی نہیں روحِ بدن ہوتا تھا

تارکِ خواہش ولذاتِ جہاں ہوتے ہیں
اِن کو خود ہی نہیں معلوم کہاں ہوتے ہیں

نام و شہرت کی ضرورت نہیں ہوتی ان کو
عشق حاضر ہیں یہ فرصت نہیں ہوتی ان کو

صاحب حکمت و غالب کی ثناء کرتا تھا
بہرِ مخلوق وہ راتوں میں دعا کرتا تھا

راہِ حق کا وہ مجاہد تھا کہ کرتا تھا جہاد
نفس کی قید سے تھا بندۂ مؤمن آزاد

منقبت بنام حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ

مردِ مؤمن بوبکر شبلی کی ذات
خود ہے وہ توحید میں اِک کائنات

جو تجھے دیکھا محبت سے وہ تیرا ہوگیا
مٹ گیا اسرارِ حق میں وہ فنا میں کھوگیا

کم نہیں تو عشق میں ہنگامۂ منصور سے
بس فنا میں تو نے بدلی اپنی ہستی نور سے

لمحہ لمحہ عشق تھا تو لمحہ لمحہ نور تھا
تو شراب عشق پی کر عشق میں مسرور تھا

عارفِ وحدت مقامِ قرب کا ہمراز تو
تو ازل سے مست آیا عشق کا شہباز تو

نوح کے طوفان کے مانند تیرا عشق تھا
قرب میں لیکن سعادت مند تیرا عشق تھا

رازِ اخفیٰ اور خفی میں نفسی قربانی کیا
عشق سلطانی ہے تیرا ذکرِ سلطانی کیا

حکمراں ہے روح پر تو نفس کو زنداں دیا
آفتابِ عشق کو افلاک میں روشن کیا

کلمۂ طیب سے اسمِ ذات کو حاصل کیا
تو نفی اثبات سے توحید کو کامل کیا

زینت و شہوت ہوا و حرص کا قاتل ہے تو
چھوڑ کر ملبوسِ خاکی قرب میں واصل ہے تو

ہے تبرک عشق کا محصول شبلی کا وجود
بارگاہِ حق میں ہے مقبول شبلی کا وجود

وقت تیرا لی مع اللہ عارفِ کامل ہے تو
تو عناصر ہی نہیں اسرار کا حاصل ہے تو

اے ضیائے فقر لیکن کیا کہوں کہ کیا ہے تو
بس یہی کہتا ہوں کہ واحد ہے تو تنہا ہے تو

مر چکا تو زندگی میں موت میں زندہ ہے تو
ہم فقیروں کے لئے ناجی نمائندہ ہے تو

تو مقامِ حیُّ و قیُّوم میں فانی ہوا
شیرِ حق عارف وہی منصور کا ثانی ہوا

منقبت درِشانِ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

لوحِ محفوظ وعقبیٰ و ازل اور ابد
تجھ سے پوشیدہ نہیں سرِّ مقاماتِ احد

تو ہے تجرید و تفرید میں موسیٰ کی طرح
تو ہے ناسوت میں ملکوت ومسیحا کی طرح

جبر اور قدر کی عظمت میں تو جبروتی ہے
تیری پرواز مگر عشق میں لاھوتی ہے

تجھ کو دیکھا ہے مکیں خاکی مکاں میں لیکن
تیری پرواز نہیں آتی گماں میں لیکن

نام بھی کام کیا مرشدِ کامل کی طرح
سینۂ وقت میں عظمت ہے تری دل کی طرح

قربتِ حق و رسائی کا سہارا خواجہ
اہلِ ایمان کی کشتی کا کنارا خواجہ

توڑ دیتی ہے نظر تیری طلسماتِ وجود
نفس کے ساتھ ہی مٹتے ہیں خیالاتِ وجود

کاش عارفؔ بھی ترا مردِ خدا ہوجاتا
خود سے باہر نہ ہوا ورنہ خدا ہوجاتا

منقبت درشانِ حضرت بختیار کاکیؒ

بیداری ،خواب ومستی، وگویائی خموشی
یہ شانِ بختیار ہے ہر حال مساوی

ہر لمحہ وہ محبوب سے ہوتا ہے ہم سخن
چشتی پہ تو لازم ہوئی کاکی کی غلامی

کھاتا ہے اگر رزق وہ مخلوق کے لئے
اس کی نظر توجہ تصور ہے وصالی

واقف نہیں مقام سے تیرے کوئی یہاں
تو سرِّ الٰہی ہے مگر روحِ جمالی

واللہ شان فقر کی تو جان بن گیا
تیرا خدا ہے تیری خودی تیری خدائی

پی کر مئے الست پیا تیری آنکھ سے
میں ہوں غریقِ دائمی متوجہ الٰہی

میں ہم جلیس احمد مختار ہوگیا
عارفؔ کی زندگی نہیں، سوغات ہے تری

بنام حضرتِ نظام الدین اولیاء دہلوی رضی اللہ عنہ

اہلِ ہمت مردِ حق آگاہ کیا بیدار ہے
آدمی کی شکل میں یہ پیکرِ اسرار ہے

واصلِ حق کو سمجھنا بھی بہت دُشوار ہے
صبرِ ایوبی کبھی حیدر کی ذوالفقار ہے

بس شرافت سے ہمیں انسان کہنا چاہئے
مردِ حق آگاہ کیا ہے ذات کا شاہکار ہے

تو وکیلِ ربط ہے دونوں جہاں کے راز میں
ظاہراً اس پار ہے تو باطناً اس پار ہے

تو مہکتا ہے سدا اخلاقِ حق سے دہر میں
پھول ہے شبنم میں لیکن آگ میں گلزار ہے

تُو غریقِ عشق ہے لیکن ہمارا ناخدا
تو کبھی کشتیٔ رحمت تو کبھی منجدھار ہے

اسمِ اعظم کی طرح عُشاق کی نظروں میں تو
درد ہے تو سوز ہے تو عشق ہے اسرار ہے

تو صفاتِ حق کا مظہر ہے جمالی خاک میں
جلوۂ وحدت میں تو لاہوت میں انوار ہے

چھو نہیں سکتی تجھے جبرئیل کی پرواز بھی
عقل خود حیران ہے کہ وہ تری رفتار ہے

تو کوئی موسیٰ نہیں لیکن ہے موسیٰ کی طرح
طور ہے تو خاک میں اور صاحبِ دیدار ہے

ہے تبرک تیری ہستی اہلِ باطن کے لئے
تو ہی جلوہ تو ہی کعبہ تو درو دیوار ہے

تو نظامِ جاویداں ہے تو خضر کا یار ہے
تو کلیمِ قدس کا کامل تریں اظہار ہے

تو کبھی اللہ کی ھو میں نظر آیا مجھے
جلوۂ احمد کبھی تو میم میں خمار ہے

ہائے عارفؔ زندگی جیسے تماشہ ہوگئی
آدمی کیا ہے جہاں میں نفس کا بیمار ہے

بنام شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ

جذبِ باطن میں تھا مطلوب ہمارا محسن — ہوش والوں میں تھا محبوب ہمارا محسن
قول اور فعل میں ہشیار نظر آتا تھا — بزمِ محبوب میں بیدار نظر آتا تھا
اہلِ ظاہر ہیں کہ عرفان فراموش رہے — اہلِ باطن بھی اسے دیکھ کے خاموش رہے
ان پہ موقوف ہے اعمالِ شریعت لیکن — سخت مشکل ہے سمجھنا یہ حقیقت لیکن
مولوی صرف و نحو میں تو ہیں استاد مگر — مادّی حالات پہ دیتے ہیں یہ فتویٰ اکثر
صاف کہتے ہیں کہ ہستی ہے ہماری موجود — مختلف ہم سے ہے بالذات ہے وہ ذات وجود
دو خداؤں پہ توکل بھی ہے ایمان بھی ہے — خود ہی بندہ بھی خدا بھی ہے یہ انسان بھی ہے
علم انساں ہے حقیقت میں حجاب اکبر — خود اُلجھ جاتا ہے فتوؤں میں یہ انسان اکثر
مسئلہ علم سے واقف نہیں انساں کا شعور — لوگ سمجھیں گے مری بات کو فتنہ یا فتور

پھر بھی کہتا ہوں کہ تسلیم کرے قلب سلیم
علم، توحید کو کہتے ہیں یہی علم قدیم

بنام حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

گذاری ذکر فکر و شغل میں راتیں کئی میں نے
نہیں پایا کبھی اذکار میں منزل نئی میں نے
اگر مذکور ہی ملتا تو ہم دل کو منا لیتے
اگر کامل تصور میں خدا ملتا تو پا لیتے
حضوری میں حضورِ حق میسر ہے تو نعمت ہے
نگاہِ مردِ مؤمن کی مگر ادنیٰ کرامت ہے
تو میرا شیخِ کامل ہے تصور بھی عطا کر دے
بنا کر ذات کا مظہر مری ہستی فنا کر دے
تصرف کی اگر توفیق تو بخشا زہے قسمت
بنایا گر مجھے توحید کا نقشہ زہے قسمت
میں اصل و وصل کا مرکز ہی بن جاتا تو اچھا تھا
میں منزل کو تیری نظروں سے ہی پاتا تو اچھا تھا
تجھے تحقیق اور عرفان کی توفیق حاصل ہے
تجھے توحید کے اسرار میں تصدیق حاصل ہے
توجہ مرد مؤمن کی ہے کیا شمشیر برہانی
بنا دے اک نظر سے تو مجھے منصور کا ثانی

درشانِ ہاشم پیر دستگیر بیجاپوری رضی اللہ عنہ

بے رنج محبت کا سلیقہ عطا کیا
مت پوچھ کہ ہاشم مجھے کیا کیا عطا کیا

راز و نیاز و عشق واطاعت کا حوصلہ
نظریں ملا کے مجھ کو خزانہ عطا کیا

فارغ کیا ہے کشف و کرامات سے مگر
مجھ کو مقامِ قرب میں جلوہ عطا کیا

اب غرقِ اسمِ ذات ہوں اللہ کا عارفؔ
زاہد تھا میں شہودی ٹھکانہ عطا کیا

وہ اک نظر میں مرتبہ دیتا ہے لازوال
روحانیت سے برزخِ کبریٰ عطا کیا

فقر و فنا بقا بہ خدا اور ضیاء ضمیر
مٹی کو میری اس نے کرشمہ عطا کیا

میں قدرت کامل کا نمونہ ہوں دہر میں
باطن کو میرے فیض کا خرقہ عطا کیا

عرفاں کی منزلوں سے گذارا گیا ہوں میں
وہ میرے دل کو عرش کا جلوہ عطا کیا

مشکل ہے نشہ اب مری آنکھوں سے اترنا
عارفؔ مجھے شرابِ طہورہ عطا کیا

ہاشمی طریق درشانِ ہاشم پیر دستگیر رضی اللہ عنہ

موت کو تو نے مری بخشی حیات جاوید
قبر کا غم بھی نہیں قبر تو ہے جشن سعید

اپنے اذکار کی تاثیر سے زندہ رکھا
میرا ہاشمؒ مجھے تقدیر سے زندہ رکھا

کلمۂ صدق پڑھایا ہے تو تصدیق کیساتھ
میں نے دیکھی ہے صداقت تری صدیق کیساتھ

تو نمازوں میں پڑھاتا ہے نمازِ باطن
میرا محمود ہے تو میں ہوں ایاز باطن

تو نے رکھوایا مجھے صبر و رضا کے روزے
میں نے رکھا ہے توکل سے وفا کے روزے

بہر صدقات مری جان بھی جائے تو کمال
تو نے بخشا ہے محبت میں مجھے قربِ وصال

حج کی تلقیں کیا، حاجی ہوں بے حجاب ہوں میں
غم نہیں مجھ کو اے عارفؔ کہ باثواب ہوں میں

حضرت شہباز قلندر

اللہ کے محبوب کو غیروں سے کام کیا   وحشت سے ہے لبریز یہ دنیا کا جام کیا
محبوب کی نظر میں ازل بھی ہے ابد بھی   اس کی نگاہِ ناز میں اسرار ہے خفی

اےُ مردِ خدا تیری محبت ہے عبادت
اللہ کے بندوں میں ہے تو پیکرِ رحمت

بنام قطب الاقطاب نور محمد شاہ قادری ہبلی کرناٹک

نور ہے تو مستِ وحدت جانِ ایماں ہوگیا   پڑھ لیا چہرہ ترا اور حفظ قرآں ہوگیا
عشق میں شہباز ہے عرفان میں روشن ضمیر   جو ترے قدموں میں آیا وہ مسلماں ہوگیا
رہنمائے راہِ وحدت کیوں نہ مانیں آپ کو   آپکی آنکھوں میں دیکھا خود کا عرفاں ہوگیا
قادری پیر طریقت قدرتِ کامل کا راز   عشق کی محفل میں تو شمع فروزاں ہوگیا
خود فروشی مردِ مومن کے لئے اعزاز ہے   جامۂ منصور میں تو عشق حیراں ہوگیا

عشق میں دل کی حفاظت کر نہیں سکتے تھے ہم
شکر ہے عارفؔ کا نوری دل کا نگراں ہوگیا

بنام مرشد حق نور محمد شاہ قادری ہبلی کرناٹک

دہر و منزل میں قدم رکھا تو گھائل ہوگیا   بس کوئی اہل سعادت شیخِ کامل ہوگیا
مرشدِ حق کیا مریدوں کیلئے ہے دستگیر   نور سے پرنور وہ کرتا ہے طلباء کا ضمیر
در مکان و لامکاں شہباز ہونا چاہئے   قدس میں جبرئیل کی پرواز ہونا چاہئے
قابل دیدارِ حق طالب کو کر دیتا ہے نور   اور شہود ذات میں شاہد نظر دیتا ہے نور
اہل دنیا سے بہت بیزار کر دیتا ہے نور   خواہش و انفاس کو بیمار کر دیتا ہے نور
دل کو زندہ فکر کو بیدار رکھنا چاہئے   شیخِ کامل کو نبی کا عشق کہنا چاہئے
علم اور عرفان میں اسرار ہے تو نور ہے   فکرِ طالب میں اگر بیدار ہے تو نور ہے
قربِ حق اور حجِ باطن کا نمونہ شیخ ہے   کُــن کی کنجی گنجِ باطن کا خزینہ شیخ ہے
عشق گر شہباز ہے تجھ کو قلندر چاہئے   دستگیری کے لئے وحدت کا رہبر چاہئے
ظاہر و باطن کو یکساں کرنے والا پیر ہے   نور کو اس خاک داں میں بھرنے والا پیر ہے

خود عطا کر دے تو عارفؔ پیر کا صدقہ ہے یہ
پیر کو پہچان کہ تسنیم کا دریا ہے یہ

منقبت درشانِ حضرت نور محمد شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ہبلی کرناٹک

❋

عشق کا شہباز ہے وہ مردِ مؤمن قادری — عظمتِ فقراء امام اہل باطن قادری
فرد در فردانیت وہ فقر در وحدانیت — نور تھا لاھوت میں انسان در انسانیت
مرشدِ کامل فنائے ذات میں باقی ہے تو — تشنگانِ بادۂ توحید کا ساقی ہے تو
نفس میں تیرا تصرف تھا کہ تو کامل ہوا — عہد طفلی میں جمالِ یار کے قابل ہوا
جہد قائم میں تری شمشیرِ تقوی یاد ہے — تونے سینچا فقر سے تیرا چمن آباد ہے
تو کمالِ عشق ہے عُشاق کا تو ہے امام — غیر کے دیدار کو خود پر کیا تونے حرام
فقر ہم آہنگ تیرا فقر کے سلطان سے — علم کی بہتی ہیں ندیاں بس ترے عرفان سے
عقل کے پیکر کو تو عرفان کا زیور دیا — تونے اپنے تجربوں سے فقر کو آساں کیا
تیرے فقراء کو ہے حاصل انتہائے فقر بھی — تو مقامِ فقر بھی ہے منتہائے فقر بھی
خود کو پا کر خود کبھی اغیار میں آیا نہیں — خود کو غیراللہ کا محتاج بھی پایا نہیں
تیری ہر ایک بات کن تھی برقضا و برقدر — تو کبھی ہے فرش پر تو تو کبھی ہے عرش پر
کردیا خود کو سپردِ حق سلیمِ دل کے ساتھ — ایک مدت تک مخاطب تھا کلیمِ دل کیساتھ
فقر تیرا درس ہے اہل مخاطب کیلئے — تونے ثابت کردیا بندہ ہے بس رب کیلئے

اپنے عارفؔ کو بنا اہل وفا کا ہم نشیں
موت سے مرتا نہیں اہل خدا کا ہم نشیں

نگاہِ مردِ مومن

محمد نور احمد شاہ قادری رضی اللہ عنہ ہبلی کرناٹک

❋

تیری نگاہِ غیض سے ہوجائے ضبط دین — تیری نگاہِ فیض ہے اندازِ مرسلین
جاہل تری نگاہ سے عرفان سیکھ لے — عالم رموزِ عشق میں قرآن سیکھ لے
نفاق منافق کے جگر سے نکال دے — ساری خرابی فیضِ نظر سے نکال دے
مفلس تری نظر سے غنی ہوگئے بہت — اہلِ غنائے عشق سخی ہوگئے بہت
انعام بھی سالک کیلئے تیری نظر ہے — ذاکر کیلئے تو ہی تو مذکور کا گھر ہے
عارف میں ترے عشق و تصور کا نور تھا — تیری نظر کے فیض سے اہلِ حضور تھا
توحید کی کنجی ہے نظر مردِ خدا کی — تیری نگاہ کیا ہے کہ تعلیم کفٰی کی
تیرے مشاہدات میں قرب و حضور ہے — پوشیدہ تیری آنکھ میں مؤمن کا نور ہے
دنیا میں ترا جسم ہے عقبٰی میں دل ترا — حاجی ہے نمازی ہے تو قرب و حضور کا

توحید و توکل کا اثاثہ ملا مجھے
بس عشق سے نواز دے عارفؔ خدا مجھے

رمزِ فقر

مست الست ہے تو یہاں بندۂ فقیر
راز و نیازِ فقر میں روشن ترا ضمیر

یہ فقر کا نشہ ہے یہ ازلی سرور ہے
دنیا و آخرت کی تمنا سے دور ہے

ائے مرشد سجاد سماع ٹھیک ہے مگر
راگوں پہ نہیں جھومتے چشتی کے سکندر

نغمہ سرود طرب و مزامیر راگ ، رنگ
ہے طالب و مرشد بھی مغنی سے ہم آہنگ

بے حال سماع دل کیلئے موت ہے ناداں
دنیا پرست پیر ہی طاغوت ہے ناداں

بنام حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

تری ہستی قلندر ہے تری ہستی کرامت ہے
عنایت ہے غنایت ہے ہدایت ہے ولایت ہے

قلندر ہمنشینِ مصطفیٰ ہوتا ہے ہر لمحہ
یہ مؤمن ہے قریبِ کبریا ہوتا ہے ہر لمحہ

حقیقت میں تو حاکم ہے محبت کا زمانے میں
ہزاروں نعمتیں پوشیدہ ہیں تیرے خزانے میں

منقبت بنام حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ

اندامِ ہفت قید میں لایا تھا وہ فقیر — خود اور دل پہ قبضہ جمایا تھا وہ فقیر
منصور خود مریض تھا خود ہی طبیب تھا — منصور ذاتِ حق میں نبی کے قریب تھا
شرع میں عناصر تھا حقیقت میں نور تھا — وہ عشق میں کلیم تھا حق میں حضور تھا
خود ہی تماش بن گیا اور خود تماش بیں — اضمار میں منصور تھا اظہار میں نہیں
فانیٔ نفس قرب جمیعت میں ضم ہوا — کرب و بلائے شرع میں شہکارِ غم ہوا
وہ حق تھا حق پسند و صابر تھا غنی تھا — جنید کا مرید تھا اسرار خفی تھا
قلب ولسان و روح پہ پابندیاں نہ تھی — تیرا طریق کیا ہے ہدایت کی روشنی
دانائے علم و حکمت و عرفان کا حکیم — قلبِ سلیم صاحبِ اخلاق اور کریم
لغزش بھی اک کمال ہے حکمت بیاں کیا — اسرار پہاڑوں کے شہر میں عیاں کیا
گویائی خموشی وجہد مستی شہادت — بیداری خواب ہوش وخرد اس کی عبادت
قول و عمل و فعل میں حکمت تھی سراسر — دراصل اس کا حال تھا شبلی کے برابر
حاضر تھی اس کی روح مقام حبیب پر — وہ آخری مقام تھا پہنچا صلیب پر

میں اس کی اناالحق کو عیاں کر نہیں سکتا
عارفؔ میں محبت کو بیاں کر نہیں سکتا

بنام بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

کاتبِ عشق قلندر ہی بنا کرتا ہے
لوح دل پر وہ محبت کو لکھا کرتا ہے
سخت دشوار منازل سے گذر جاتا ہے
عرش کے ساتھ وہ مؤمن میں اتر جاتا ہے

درسِ توحید میں انسان کا ایمان ہے وہ
شرع اخلاق میں، کردار میں قرآن ہے وہ
مردہ دل حالِ قلندر سے نہیں ہے واقف
اس کی پرواز سے جبرئیل امیں ہے واقف

ہے قلندر کی نظر خنجرِ قاتل کی طرح
قبل از مرگ بناتا ہے تجھے دل کی طرح
ایک سجدہ جو محبت میں ادا ہوتا ہے
شیشۂ دل میں محبت کا خدا ہوتا ہے

سر ازل میں ہی دیا، یار کو دل آج دیا
اور قلندر نے مرے عشق کو معراج دیا
رازِ محبوب کا افشاء نہیں کرتے عارف
جان دیتے ہیں یہ شکوہ نہیں کرتے عارف

بنام لعل شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

ذاتِ اللہ کی تاثیر قلندر میرا
قادری برہنہ شمشیر قلندر میرا
صرف وہ جسم نہیں، ایک مکمل دل ہے
دل نہیں نور کی تنویر قلندر میرا

یہ نہ سمجھو کہ عناصر میں رہا کرتا ہے
عشقِ احمد کی ہے تصویر قلندر میرا
نور ہے قرب و تصور میں وسیلہ وہ ہے
ہے تو اللہ کی جاگیر قلندر میرا

روحِ اعظم سے تبرک ہے وجودِ اعظم
ہم غریبوں میں ہے اکسیر قلندر میرا
حال اور قال میں عرفان میں صادق وہ ہے
ان معموں کی ہے تعبیر قلندر میرا

مطمئن نفس و دل روح کا پیکر وہ ہے
خود ہے معمار و تعمیر قلندر میرا
نور ہے اس کا بدن نور کی صورت ہے وہ
عارفِ عشق کی تصویر قلندر میرا

التجاء بدرگاہِ بوعلی شاہ قلندر رضی اللہ عنہ

❋

اے قلندر مرحبا مشکل مری آسان کر　　پیر تو مشکل کشا مشکل مری آسان کر
وحشت دنیا سے گھبرا کر یہاں آیا ہوں میں　　اب کہاں جاؤں بتا مشکل مری آسان کر
سر بسر ڈوبا ہوا ہوں بحرِ عصیاں میں مگر　　آخری تو آسرا مشکل مری آسان کر
بے کسوں کا تو قلندر بے بسوں کی آس تو　　خالی ہے دامن مرا مشکل مری آسان کر
دین و دنیا کی سعادت سب کو ہوتی ہے نصیب
ایک میں ہی رہ گیا مشکل مری آسان کر
آہ! تیری قوم الجھی ہے دیارِ خار میں　　ہر کوئی زخمی ہوا مشکل مری آسان کر
اُڑ گیا اس قوم کا جوہر نہیں علم و ہنر　　تو ہی مہدی ہے مرا مشکل مری آسان کر
غرق ہونے کو ہے کشتی ناخدا کوئی نہیں　　ہے تو تیرا آسرا مشکل مری آسان کر
آسماں نے مجھ پہ توڑے ہیں ستم کہ کیا کہوں　　کرب سینہ سر بلا مشکل مری آسان کر
داستانِ غم سناتا ہے قلم عارفؔ ترا
اے قلندر کے خدا مشکل مری آسان کر

خمسہ بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ

❋

یہ دنیا مردِ مومن کو کبھی بہکا نہیں سکتی　　مرے ایمان پر خواہش کی مستی چھا نہیں سکتی
شریعت قادری اسرار کو جھٹلا نہیں سکتی　　میری ہستی جہاں والوں سے دھوکا کھا نہیں سکتی
قلندر کے غلاموں پر مصیبت آ نہیں سکتی

تیری ہستی کو اہلِ دل مگر اہلِ وفا سمجھے　　تو کن کا راز ہے تجھ کو حبیبِ کبریا سمجھے بشر
بشر سمجھا بشر تجھ کو حقیقت میں خدا سمجھے　　قلندر کی حقیقت کو کوئی سمجھے تو کیا سمجھے سمجھ
سمجھ میں آ گئی تو عقل پھر سمجھا نہیں سکتی

کبھی عشاق دل کے زخم دکھلایا نہیں کرتے　　مسیحا کو بھی خاطر میں کبھی لایا نہیں کرتے
حقیقت فقر کی غیروں کو سمجھایا نہیں کرتے　　فقیرِ شہ قلندر ہاتھ پھیلایا نہیں کرتے
مری غیرت کبھی اغیار کے گھر جا نہیں سکتی

چھپا رکھے ہیں رحمت میں محمد مصطفیٰ ہم کو　　نہیں حاجت کسی بندے کی کافی ہے خدا ہم کو
پلٹ جاتے ہیں عارفؔ دیکھ کر رنج و بلا ہم کو　　خیالِ حشر آتا ہے نہ ہی خوفِ قضا ہم کو
ستم ہم عشق کے ماروں پہ دنیا ڈھا نہیں سکتی

منقبت درشانِ شیخ سُلطان باھو رضی اللہ عنہ

میرا ہادی پیر ہے میرا وسیلہ پیر ہے
اس کے میں قرباں جاؤں میرا کلمہ پیر ہے

نفسِ عالم کے سوا تو پیر کا دشمن نہیں
پیر گر پایا نہیں شیطان اس کا پیر ہے

نفسِ شیطاں کے خبائث جاننا ہے گر تجھے
درپے میرے پیر کے آ پیر میرا پیر ہے

پیر ہوسکتا نہیں ہرگز سخن کا مبتلاء
کُن سے ہے ہر بات جسکی وہ ہمارا پیر ہے

دل تو ہے دارالامن میں جان ہے دیدار میں
اس مکاں سے لامکاں تک سارا جلوہ پیر ہے

علم کے انوار کو بیچا نہیں کرتے حریص
جا چلا جا پیر کی خدمت میں داتا پیر ہے

پیر کا در چھوڑ کے جائیں کہاں عارفؔ بتا
دونوں عالم میں اگر ہے تو سہارا پیر ہے

بنام حضرت صوفی سرمست مجذوبِ حق رحمۃ اللہ علیہ

جب حاضراتِ اسمِ الٰہی کیا گیا — وہ مظہرِ خدا تھا فقیری میں آ گیا
گرقال کا محرم ہے شریعت ہے تیرا کام — اے محرمِ وصال طریقت ہے تیرا کام

اذکار و تصوف کے ہنر میں نہیں خدا
حق بات ہے کہ علم بشر میں نہیں خدا

اچھی ہے فکرِ قلبی ترے ذکرِ زباں سے — کعبہ نہ بن سکے گا کبھی خاک بتاں سے
ہر حال میں کرتا ہے سدا دل کی حفاظت — نگرانیٔ دل کیا ہے حقیقت میں عبادت

نیرنگیٔ جمال سے رہتا ہے دل میں نور
حق الیقیں ہے ذاتِ خداوند کا سرور

حاصل ہے فقر یار کو دیدار بے حجاب — خود پر سے عناصر کا الٹ دے ذرا نقاب
ہر حال میں مخلوق سے نالاں ہے تو اچھا — بستی تری نگاہ میں ویراں ہے اچھا

اورنگ زیب وشانِ سلیماں سے بے نیاز
پڑھتا تھا سدا عشق کی مسجد میں وہ نماز

شمشیرِ شریعت سے وہ مقتول بھی ہوا — اور بارگاہِ عشق میں مقبول بھی ہوا
سرمست وہ فقیر تھا شبلی کا جنوں تھا — سر کو کٹا کے عشقِ محمد میں سکوں تھا

اسرارِ مئے عشق کے میخوار ہی جانے
عارفؔ جہانِ فقر کے حقدار ہی جانے

منقبت درشانِ مقبول احمد شاہ قادری کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

(ہانگل شریف کرناٹک)

میرا مقبول گناہوں سے مجھے دور کیا
میں تھا مغرور عناصر میں مجھے نور کیا

میری آنکھوں کو وہ دیدار کے قابل سمجھا
وہ نگاہوں سے پلاکر مجھے مخمور کیا

حرصِ دنیا ہی بُری چیز ہے انساں کیلئے
مجھ کو دنیا کی نگاہوں سے وہ مستور کیا

نور ہے سرِّ محمد میں وہ مقبول کی ذات
وہ مجھے دونوں مقامات پہ معمور کیا

وہ ہے منظورِ نظر ذاتِ خداوندی میں
جامِ وحدت وہ پلاکر مجھے مسرور کیا

حاصلِ عشقِ محمد ہے مقاماتِ فقیر
میں ہوں عارفؔ مجھے عرفان میں پُرنور کیا

منقبت درشانِ اعلیٰ حضرت فاضلِ کشمیر

پیر سید مقبول احمد شاہ قادری کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہانگل شریف (کرناٹک)

مقبول موت وزیست ہے مقبولی نظر میں
رکھتا ہے دل کو زندہ وہ اسرارِ خضر میں

وہ ذاکرِ قلبی ہے نہیں ذاکرِ مجاز
آتی ہے اس کے قلب سے اللہ کی آواز

بیدار رہا کرتا ہے وہ سوزش دل سے
العشق کی آتی ہے صدا شورشِ دل سے

مرنے کے بعد نفس ترا سوگوار تھا
تو نفسِ کُل میں جلوۂ پروردگار تھا

تو ذکر وفکر یار میں برزخ کا حال تھا
تو قدرتِ کامل کا مقدس کمال تھا

تو مرشد وصال ہے تو راشد حیات
عارفؔ کا علم کیا ہے کہ محتاجِ عنایات

ہمارا مرشد سیدنا عبدالسلام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

دل کا نگران ہے کعبہ ہے ہمارا مرشد
ہم تو حاجی ہیں کہ مولیٰ ہے ہمارا مرشد
عشق طواف کیا کرتا ہے لمحہ لمحہ
کیا بتائیں تمہیں کیسا ہے ہمارا مرشد
تجھ کو دیدار کی لذت کا مزہ کیا معلوم
یار ہے یار کا جلوہ ہے ہمارا مرشد
فکرِ روزی سے رِہا کرتا ہے سب سے پہلے
رزق پھر روح کو دیتا ہے ہمارا مرشد
در پہ آتے ہیں کرم خوردہ انساں اکثر
جسم چاندی کے بناتا ہے ہمارا مرشد
کفر اور شرک دلوں سے وہ مٹا دیتا ہے
سیدھے رستے پہ چلاتا ہے ہمارا مرشد
شیخِ ناقص کو عطا کرتا ہے عرفانی نظر
طالبوں کا بھی مسیحا ہے ہمارا مرشد
اپنی رگ رگ میں رگِ جان میں عارفؔ وہ ہے
عشق میں روح کے جیسا ہے ہمارا مرشد

نظرانۂ عقیدت بنام حضرت جعفر سقّاف بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ

اۓ طالب خدا تو قلندر کے پاس جا — منزل کی تمنا ہے تو جعفر کے پاس جا
ف ق ر بھی فقر کا کافی ہے مگر سیکھ — تو نفس کی میت پہ خدائی کا ہنر سیکھ
نادان تو بندہ ہے نہ بندے کا خدا بن — اژدھا ہے یہ دنیا کہ تو موسیٰ کا عصاء بن
تو وحدت کامل کا طلبگار گر ہوا — سیلانی تو فنا وبقا کا خضر ہوا
اسرار و معانی میں حقیقت ہی اور ہے — آ دیکھ قلندر کی طریقت ہی اور ہے
نادان پیر خام کے چنگل سے نکل جا — تھوڑی سی یہ دنیا ہے نہیں وقت سنبھل جا
اللہ کی جانب سے وسیلہ ہے قلندر — بس رحمتِ عالم کا نمونہ ہے قلندر
لَاشَیْخَ لِمَن لَّا کو حدیثوں میں پڑھا ہے — بے پیر کا شیطان ہی رہبر ہے خدا ہے
پانی میں نمک گھول کے ڈھونڈا تو کیا ملا — گر ذائقہ چکھا تو سمجھنا خدا ملا!
صہبائے ھُوکو برزخِ وحدت میں پی کے دیکھ — منصور بن کے چاکِ گریباں کوسی کے دیکھ
تو مستِ ازل راگ سے بیدار نہ ہوگا — تا حشر کبھی پیاس کا آزار نہ ہوگا
ہر لمحہ قتل ہونا تو عاشق کا کام ہے — احساسِ قتل گر ہے ترا فقر خام ہے
تاثیرِ علم ذات و برزخ کے کام دیکھ — ہے قرب لی مع اللہ تیرا مقام دیکھ

عارفؔ کے لئے خاص بنائی گئی شراب
روحانی قلندر سے پلائی گئی شراب

عرفان فقر

عرفان وفقر و فاقہ حال و وصال و راز
آتش کے مقامات سے آزاد ہے نماز

یہ فقر ہے! ہوا وحسد راگ نہیں ہے!
یہ عشق ہے نمرود نہیں آگ نہیں ہے!

خود ساختہ صوفی کا نفس سرفراز ہے
یہ فقر حقیقت میں قلندر کا راز ہے

عرفانِ حق ہی قلبِ صفا کا مقام ہے
انوار و تجلی میں خضر کا قیام ہے

کبر و غرور حرص و حسد کو مٹا کے دیکھ
تجھ کو خدا ملے گا مگر خود کو پا کے دیکھ

گر وحدتِ مطلق سے تری آشنائی ہے
تیرے لئے رسولِ خدا اور خدائی ہے

بے دینی سراسر ہے محبت جہان کی
الفاظ میں عارف نے حقیقت بیان کی

پیرِ ناقص

کل کے سجادہ نشیں آج طریقت کے امیر
کتنے شوقین ہیں یہ مرغ مسّلم کے فقیر

یہ مشقت سے بہت احتراز کرتے ہیں
باپ دادا کے مریدوں پہ ناز کرتے ہیں

یہ تو الحاج ہیں عارف بھی ہیں فقیر ہیں یہ
خود ہی مفلس ہیں رئیسوں کے دستگیر ہیں یہ

اہل نسبت ہیں یہ شجرے میں خلافت ان کی
غوثِ اعظم کی کرامت ہے وراثت ان کی

یہ مریدوں میں حکایات سُنانے والے
دادا پیروں کی کرامات سُنانے والے

ذکر و اذکار کی حاجت نہیں رہتی ان کو
نحن اقرب کی میسر ہوئی کنجی ان کو

کورِ باطن ہیں یہ ظاہر میں قلندر کی طرح
نرم گفتار ہیں دل سخت ہیں پتھر کی طرح

صاف کہتے ہیں شریعت کی ضرورت کیا ہے
خود خدا خود ہی حقیقت ہیں عبادت کیا ہے

یہ تو عرفانِ خدا دل میں کرا دیتے ہیں
دین کے نام پہ چندہ بھی اٹھا لیتے ہیں

دل بنے یا نہ بنے ان کو ضرورت ہی نہیں
ان کو گانے و بجانے سے تو فرصت ہی نہیں

یہ مریدوں کو فقط دین سکھا دیتے ہیں
اپنی اولاد کو کالج میں پڑھا لیتے ہیں

خرقہ ملتے ہی یہ ابدال ہی ہو جاتے ہیں
ذکر کرتے ہیں مرید اور یہ سو جاتے ہیں

فقر کی ف سے بھی واقف نہیں ہونے والے
امتِ احمد مرسل کو ڈبونے والے

نہ تصور نہ تفکر نہ توجہ سمجھے
پیرِ ناقص ہیں کہ پیری کو تماشا سمجھے

پیر وہ ہیں کہ رئیسوں کا ادب کرتے ہیں
مالِ دنیا کو مریدوں سے طلب کرتے ہیں

علم و تقویٰ نہ طہارت نہ شعور آیا ہے
صرف ڈاڑھی کو بڑھاتے ہی سرور آیا ہے

ان کو معلوم نہیں کیا ہے وجودِ باطن
صرف اقوال میں ہے نام و نمود باطن

خود کی اصلاح بھی تو کرنا نہیں آیا ان کو
یہ تو جیتے ہیں کہ مرنا نہیں آیا ان کو

ہائے عارفؔ کہ یہ امت کے نگہبان ہوئے
مسندِ جلسۂ عرفان کے سلطان ہوئے

کل جُگ کے رسمی پیر

رنگین عماموں میں نہیں بات فقر کی
گو مسندِ ارشاد پہ بیٹھے ہیں صبح شام

بے معرفت مقامِ حضوری سے ہے محروم
کہنے کو یہ سید بھی ہیں اخلاق میں بد نام

بدعت و استدراج کرامات کے حریص
تقریر کے ماہر ہیں خطابات کے حریص

محبوب مشغلہ ہے فقط کیمیاء گری
یہ ننگِ فقر کیا ہے طلسمات سامری

بوتے ہیں شر کے بیج یہ دنیا کے کھیت میں
ان کے حسب، نسب میں نہیں شان دلبری

غم اور ملال خوف، ریاضت و مشقت
راہِ سلوک میں ہے مقاماتِ عبادت

مال و متاع کی فکر سے آزاد ہے عارفؔ
کرتا ہے ہر اک حال میں سانسوں کی حفاظت

طالبِ ناقص

❋

کشف قلب وقبر کا ناداں کو حاصل ہوگیا   طالبِ ناقص نے سمجھا عشق کامل ہوگیا
یہ تری منزل ہے لیکن اہل دل کی ابتداء   تو نہیں سمجھے گا ناداں عارفوں کی انتہاء
ذکر اور اذکار میں جلوے نظر آئے تو کیا   خود سے غافل غیر کی تجھ کو خبر آئے تو کیا
مرشدِ کامل نہیں پایا تو تو کچھ بھی نہیں   یہ تڑپ یہ منزلوں کی جستجو کچھ بھی نہیں
نام کا منصور تو حلاج ہوسکتا نہیں   طالبِ کامل یہاں محتاج ہوسکتا نہیں
گر غریقِ وحدتِ کامل سے رکھا واسطہ   ایک نظر میں تجھ کو مل جایئگا رب کا راستہ
انتہا گر طالب ومطلوب کی یکساں نہیں   عالم وفاضل تو ہیں وہ صاحبِ عرفاں نہیں
گر مُراقب ذاتِ حق میں پیر کامل ہے ترا   پیر ہی تیری زباں ہے پیر ہی دل ہے ترا
برزخِ احمد میں تجھ کو زندگی ہوگی نصیب   قرب کی معراج ہوگی عاشقی ہوگی نصیب
منتہائے روحِ بے خود ہوکے کیا رہ جایئگا   تو فنا ہوجایئگا باقی خدا رہ جایئگا
اہل دنیا کے لئے تو خاک میں سوجایئگا
لامکاں تھا تو عدم میں اب مکیں ہوجایئگا

ایک نصیحت

مردانِ خداوند کی تاثیر ملے گی
کُن کی زباں میں حیدری شمشیر ملے گی

زندہ رہے گا حیّ و قیوم کی طرح
رحمت بنے گا رحمت معصوم کی طرح

تجھ کو پتہ ملے گا ترے رب کی ذات کا
ہوگا مراقبہ بھی میسر حیات کا

حق بھی ملے گا عارفِ حق الیقین سے
نعمت تجھے ملے گی محمد کے دین سے

ولیوں کی ولایت کا تو حقدار بنے گا
تو قربِ حق میں صاحبِ اسرار بنے گا

جب تک ترا مرشد تجھے قائم نہیں کرتا
تجھ کو نمازِ عشق میں دائم نہیں کرتا

ائے طالبِ ناقص تو قلندر کے پاس جا
عارف کے ساتھ خضر سکندر کے پاس جا

عظمتِ قرآن وحدیث

قرآن پاک کیا ہے کتابِ مبین ہے
تفسیر و احادیث محمد کا دین ہے

قرآں کو جس نے سمجھا وہ روشن ضمیر ہے
قرآن ہی اسرار و معانی میں پیر ہے

عرفان وحقیقت سے وہی آشنا ہوا
قرآں میں تدبر کا جسے حوصلہ ہوا

اس کو محققین کی تحقیق سے سیکھو
صدیق وعثمان کی تصدیق سے سیکھو

وہ رمز کنایہ و اشاراتِ عبادت
واضح کرے گی تم پہ قلندر کی طریقت

مؤمن ہے تو اخلاق رسولِ خدا کے سیکھ
قرآن اور حدیث کو عالم بنا کے سیکھ

عرفاء و اہل تقویٰ وعُشاق و واصل
قرآں کو سمجھتے ہیں یہ مردان اہل دل

جن کو نصیب ہوتے ہیں درجات عالیہ
باطن میں ہیں قرآں کے کمالات عالیہ

حرص وہوس غرور و تکبر کو مٹا کر
اے بندۂ نادان تو قرآن پڑھا کر

قرآن تجھ کو دیتا ہے گر درس فنا کا
ملتا ہے حدیثوں میں پتہ تیری بقا کا

اللہ کا الف بھی ہے حاصل تو نور ہے
اور میم محمد کا مقام حضور ہے

ایمان کو حدیث سے ملتا ہے سہارا
قرآن ہے انوارِ الٰہی کا نظارہ

صبر و رضا ثواب وعطا ہے یہی قرآں
اور سیرتِ رسولِ خدا ہے یہی قرآں

قرآن ہی فقیر کا سارا اثاثہ ہے
قرآن اولیاء کے دلوں کا دلاسہ ہے

قرآن جہالت کو دلوں سے مٹاتا ہے
قرآن ہی انسان کو انساں بناتا ہے

ہادی ہے یہ قرآن ہدایت کا نور ہے
یعنی رسولِ پاک کی رحمت کا نور ہے

قرآن و احادیث کا انکار کفر ہے
اس کے بغیر معانی و اسرار کفر ہے

ایک روحانی نصیحت بذریعہ حضرت جعفر سقّاف رحمۃ اللہ علیہ بیجاری

❋

گر رُتبۂ وصالِ جمالِ خدا ملا — واعظ ترے بیاں کو کمالِ خدا ملا
رسمِ بیاں الگ ہے زبانِ خدا ہے اور — نعتیں جدا ہیں شانِ نبی مصطفیٰ ہے اور
تعلق اگر دلوں کا ہے واعظ بیان سے — اسلام زندہ ہوتا ہے تیری زبان سے
فقراء کی دعاؤں کا اثر ہو بیان میں — تاثیر اسمِ ذات کی ہوگی زبان میں
گر صاحب نظر ہے ذرا دل سے کام لے — یہ بھی نہیں تو دستِ قلندر کو تھام لے
اُترے بیان دل میں تو ایمان بنا دے — کافر کو اک نظر میں مسلمان بنا دے
عالم ہے محقق ہے فقیہہ شارح کتاب — اچھا ہے اگر سیکھ لے تحقیق بے حجاب
اسرار و معانی ہو مقرر کے بیاں میں — تاثیر ذکرِ قلبی ضروری ہے زباں میں
تیری زبان فقر، فقیری طریق ہو — اور سامعین عشقِ خدا میں غریق ہو
ظاہر میں تو مخلوق کی خدمت نصیب ہو — باطن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو

تنقید ہے اشعار میں لیکن ہے صداقت
عارفؔ کو مبارک ہو قلندر کی طریقت

دستارِ خلافت

❋

دستار و خلافت کے طلبگار ذرا سن — سجادہ نشیں گدّی کے حقدار ذرا سن
خرقہ و عمامہ کو خلافت نہیں کہتے — رسموں کی مریدی کو طریقت نہیں کہتے
گو علم ہے توحید ہے قرآن کی تفسیر — ہوتی ہے شریعت سے ہی عرفان کی تعمیر
اخلاق و آدابِ شریعت بھی شرط ہے — تقویٰ سے خلافت ہے عبادت بھی شرط ہے
تکبیر ہو زبان پہ دعوت کا علم سیکھ — اخلاق محبت و مروت کا علم سیکھ
تیرا وجود حق میں ہو اکسیر کی مانند — تیری نظر ہو حیدری شمشیر کی مانند
انسان بن کہ تجھ کو غمِ کائنات ہو — مردہ دلوں کو تیری نظر ہی حیات ہو
تاثیر کے علوم توجہ و تصور — سرمایۂ حیات ہے کامل کی اِک نظر
گر نفس پہ حاکم ہے فنا کا مقام دیکھ — خود کو مٹا فنا میں بقا کا مقام دیکھ
حاصل ہے اگر تجھ کو یہاں فقر اختیار — خرقہ ہے ترا فقر تیری شان ہے دستار
پیری میں فقر سیکھ کے روشن ضمیر بن — تو عارفِ باللہ بنا ہے تو پیر بن

دنیا سے غسل یاب ہو عقبیٰ سے وضو کر
خود کو جلا دے عشق میں اشکوں کو لہو کر

مردانِ خدا کے لئے کافی ہے خدا ہی — کافی ہے کفٰی باللّٰہ و کیلا کی گواہی
دنیا پرستی کیا ہے گناہ عظیم ہے — خواہش کیلئے فقر ہی ضربِ کلیم ہے
تنہائی میں توحید سے سرشار فقر ہے — یعنی بلٰی کے قول میں اقرار فقر ہے
مسکینیت قضا بھی ہو مسکین ہو حیات — دل کے غنی ہوں تیرے مساکین تیرے ساتھ
نافع ہو علم تیری خلافت میں اے فقیر — خوفِ خدا ہو قلب میں، روشن ترا ضمیر
دستار و خلافت کا بہت احترام کر — کامل اگر ہے عشق میں کامل کے کام کر
طالب کے حق میں رحمت کامل ہو خلیفہ — شرعِ رسول پاک پہ عامل ہو خلیفہ
گر مرشد ناقص ہے مصیبت ہے سراسر — طالب کے لئے زہر ہلاہل کا سمندر
دنیا پرست پیر بہت ہی حقیر ہیں — شیطان کے مرید ہیں فرعوں کے پیر ہیں
دنیا میں کئی پیر تو آباد ہوگئے — بے چارے جو مرید تھے برباد ہوگئے
اللہ کا جو حق ہے خلافت میں نہاں ہے — مرشد جسے کہتے ہیں حقیقت کی زباں ہے

یُؤتِیہِ مَنۡ یَّشَاءُ ہے اللہ کا فضل
عارفؔ قلندری کا دیوانہ ہے بے بدل

تصورِ شیخ

ترا شیخ کیا ہے مقام اس کا کیا ہے — نہیں وہ پیمبر پیمبر نما ہے
وجوبِ اطاعت کا منکر برا ہے — خدا کی اطاعت کا یہ سلسلہ ہے
تو جب تک کہ خود کو نہیں کرتا نابود — پیمبر تو خود کا ہے خود کا خدا ہے
بلاؤں میں ایک دن گرفتار ہوگا — یہاں سوءِ ظن ہی نہایت خطا ہے
اگر شیخ تجھ سے ہے ناراض ناداں — یہ خفگی نہیں ہے یہ تیغِ بلا ہے
لباسوں کے مانند رہبر نہ بدلو — کہ ایسی خطا کی بھیانک سزا ہے
نہ کر اپنے معشوق سے بے وفائی — ذرا یادکر تونے وعدہ کیا ہے
خطا ہوگئی تو عذر پیش کردے — اگر اس نے بخشا تو بخشا ہوا ہے
اگر ہوگیا تو اے ناداں حجابی — یہاں بھی خرابی وہاں بھی خرابی
جدا ہوکے معشوق سے جینے والے — نہ کرنا کبھی خود کو خود کے حوالے
میسر نہ ہوگی محبت کی لذت — تو خود کو محبت کے قابل بنالے
ترا ذوقِ طاعت عبادت نہ ہوگا — یہاں چاہے جتنے بھی آنسو بہالے
تری عمر بھر کی کمائی لٹے گی — ابھی توبہ کرکے تو خود کو بچالے
اگر ہجر میں تونے آرام پایا — محبت کے بدلے عداوت نبھالے
سزا ہے کڑی یار کی دشمنی میں — سنبھل جا کہ ہے وقت خود کو بچالے

یہاں بدگمانی ہے شیطاں کی مانند
تکبر کو عارفؔ یہاں مار ڈالے

نصیحت اور ناصح

قبل تکمیل اے ناصح نہ نصیحت کرنا — خضر کامل سے ذرا سیکھ محبت کرنا
مستحق وعظ کا واعظ ہے ترا نفس ابھی — غیر کو تیری نصیحت ہے حماقت کرنا
غیر اشیاء پہ ترا وعظ نہیں ظلم ہے یہ — صرف اوروں کو سکھاتا ہے اطاعت کرنا
سیکھ پروانے کے اخلاص سے انداز وفا — تو بھی کچھ ہے تو ترے عشق کو ثابت کرنا

علم و عرفان بیاں کرتی ہے ہر چیز یہاں
گوشِ باطن سے اے عارفؔ تو سماعت کرنا

نظریۂ تناسخ

سنتے ہیں کہ قائیل ہیں تناسخ کے بہت لوگ — دارالعمل ہے اور عمل کی جزاء ہے اور
ناداں لباس تن کا بدلنا نہیں ممکن — ڈھل جا کسی تجلی میں تیری جلا ہے اور
ہر لحہ ایک شکل میں ہے کون نمودار — تیری تجلی اور ہے اس کی قباء ہے اور
توحید کے خلاف عقیدہ ہے تناسخ — میرا خدا ہی اور ہے تیرا خدا ہے اور

تو مثل تجدد ہے تری اصل تجلی
ملبوسِ فنا اور ہے، عارفؔ کی بقا اور

راہِ سلوک

آ میں تجھے بتا دوں راہِ سلوک کیا ہے — دراصل یہ فنا ہے اس میں تری بقا ہے
سن اے غریق عشق تری منزلیں ہیں دور — خود کو وہیں پہ چھوڑ جہاں پر کہ تو کھڑا ہے
مذموم علتوں کی فنا شرط ہے پہلے — اخلاقِ حمیدہ کی اگر ٹھان لیا ہے
تجھ کو فنائے نفس اگر ہوگئی حاصل — تیری فنا سے آگے بقا میں ترا خدا ہے
طاری شہود ذات کا غلبہ اگر ہوا — علم اور التفات کی اک اور فنا ہے
لطفِ علیم کی جو تجلی دکھائی دے — تو غرق ہو جا اصل میں یہ بحر بقا ہے
فانی فنائے علم کا تو مرتبہ بھی دیکھ — اب **اقربُ الیہ** سے ترے ساتھ خدا ہے
عارفؔ تجھے گماں بھی نہ ہو تیری اَنــا کا — تیری فنا فنا ہے تیری بقا بقا ہے
شہباز عشق اب تری منزل ہے آخری — تو بادۂ توحید سے مخمور ہوا ہے
تیرا سلوک کچھ نہ ہو اللہ کے سوا — یہ بھی مقام چھوڑ دے آگے بھی راستہ ہے
جب سیر فی الاحد میں تجلی تو بن گیا — پھر اسکے بعد کچھ نہیں جو کچھ ہے بس خدا ہے

نکتہ شناس کیلئے عارفؔ کا بیاں ہے
حاسد نے تو شہباز کو مجذوب کہا ہے

نظم علم و عقل

علم ہی اور ہے تعبیر سے معنیٰ ہے جدا
ہے خدا دانی جدا، علمِ زمانہ ہے جدا
علم کہتے ہیں جسے شئی کا احاطہ کرنا
ہر احاطے سے ہے باہر تو خدا کیا کرنا

عقل کرتی ہے دلیلوں کے سہارے پرواز
ورنہ اس عقل میں پوشیدہ ہے تاویل کا راز
عقل کو سوچو تو لگتی ہے وہم اور خیال
مصنوعی پاؤں کے مانند اپاہج کا کمال

نقص رفتار کی شوخی میں نظر آئے گا
عقل کی چال میں انسان بہک جائے گا
اپنے داؤ پیچ کو تو عقل سمجھ رکھا ہے
ہائے ناداں یہ تری عقل نہیں دھوکہ ہے

پوچھ لے عقل سے ہر شئی کو مانتی ہے مگر
ہے تو کثرت پہ نظر کیوں نہیں وحدت پہ نظر
کیونکہ توحید میں ہو اس کا گذرنا ممکن
آگ میں کیسے بنائے گی یہ گھر ناممکن

علم اور عقل کا سمجھوتا پرانا ہے بہت
دیکھ عارف کی یہ نادانی کہ دانا ہے بہت

دنیا

دنیا کی محبت ہے بری طالب دنیا
دنیا ہے یہ شیطاں کی چھری طالب دنیا
تنکا بھی یہ دنیا کی محبت کا برا ہے
تیرے لئے یہ دل کی سیاہی کا خدا ہے

زہریلی چیز کیا ہے تری جان کی دشمن
دنیا کی ہوس کیا ہے کہ ایمان کی دشمن
دنیا جسے کہتے ہیں وہ ابلیس کی جاں ہے
کہنے کو یہ رنگین ہے تاریک مکاں ہے

مال و متاع کیا ہے کہ شیطان کے ہتھیار
دنیا پرست کیا ہیں کہ شیطان کے اوزار
دنیا کی حرص دل کو بجھا دیتی ہے ناداں
انساں کی نیکیوں کو مٹا دیتی ہے ناداں

کبر و غرور حرص ہوس کا نشاں نہ بن
شیطان کا فرزند نہ بن اسکی جاں نہ بن
جاہل ہی نہیں عالم و فاضل بھی لٹ گئے
فقراء بھی کئی اس کی محبت میں مٹ گئے

مانا کہ اہل دنیا کی ہر روز عید ہے
شیطان ان کا پیر ہے دنیا مرید ہے
دنیا کو اپنے گھر میں سجانا نہیں اچھا
دنیا کے بعد تیرا ٹھکانہ نہیں اچھا

ایماں سے بغاوت بھی سکھاتی ہے یہ دنیا!
انسان کو نمرود بناتی ہے یہ دنیا!
علمائے حق ہیں دشمن شیطان بس یہاں
فقراء کاملین سے شیطان ہے نالاں

جو نفس کا دشمن ہے قلندر کے ساتھ ہے
جو ہے سعید ازلی وہ رہبر کے ساتھ ہے
کٹتے ہیں سخاوت سے ہی شیطاں کے ہاتھ بس
عارفؔ ترے جینے کو قلندر کا ساتھ بس

نعمت علم

علم فقہ بھی ہے تقریر و فتاویٰ بھی ہے
گر تکبر ہے انا خیر کا دعویٰ بھی ہے
اہل تقویٰ کیلئے دین ہے ایمان ہے یہ
علم مؤمن کیلئے نور ہے قرآن ہے یہ
علم ہادی ہے ہدایت ہے انبیاء کیلئے
علم کیا ہے کہ توکل ہے اتقیاء کیلئے
علمِ تقویٰ ہی ہدایت ہے اولیاء کیلئے
علم واجب ہے ازل سے ہی انبیاء کیلئے
علم سے عشق کی تحقیق کیا کرتے ہیں
عشق سے قلب کی تصدیق کیا کرتے ہیں
علم سے ہوتے ہیں اعمال میں اصحابِ یقیں
اپنی منزل میں یقیں رکھتے ہیں احبابِ یقیں
علم وہ نور ہے جو عرش بریں تک پہنچا
علم وہ علم نہیں جو نہ یقیں تک پہنچا
علم طالب کو بھی مطلوب بنادیتا ہے
علم انسان کو محبوب بنادیتا ہے
علم اخلاق ہے عارفؔ یہ زمانے کیلئے
علم آیا ہے تو انسان بنانے کیلئے

ایمانِ مردِ مؤمن

توفیقِ خدا کیا ہے ہدایت کا نور ہے
انساں میں اسی نور سے عقل وشعور ہے

مردانِ خداوند کا ایماں کلیدِ ذات
مؤمن کا عشق نورازل سے سعیدِ ذات

سنت کا اور کتاب کا پابند ہے مؤمن
دونوں جہاں میں سرِ خداوند ہیں مؤمن

مؤمن کی نظر کیا ہے کہ منسوب الٰہی
مؤمن کی تمنا ہے کہ محبوبِ الٰہی

کہ ہم جلیسِ صاحبِ لولاک ہے مؤمن
دنیا کی کثافت سے سدا پاک ہے مؤمن

گر عرش کرسی لوح قلم کا یقیں بنا
شاہد ترے مقام کا جبرئیل امیں بنا

نظم رمزِ خودی

ھُــــو کہا تو جسم ودل پر ذات غالب آ گئی
میں مکمل دل بنا ہوں ذات دل پر چھا گئی
قادری دل ہے مرا قدرت کی عکاسی میں ہوں
ہر بشر میں نور ہوں صورت کی نقاشی میں ہوں
دیکھتا رہتا ہوں سب کو چشمِ ظاہر کے بغیر
اب حیاتِ جاویداں ہوں میں عناصر کے بغیر
میں وہی نورِ تصور میں الٰہی نور ہوں
دل میں رہتا ہوں کبھی میں آنکھ سے مستور ہوں
میں فنافی الشیخ ہوں اور نور سے پر نور ہوں
وحدتِ احمد میں زندہ ہوں بہت مسرور ہوں
خود کو بھولا ہوں جمالِ یار کو بھولا نہیں
مٹ چکا ہوں قادری سرکار کو بھولا نہیں
روحِ اعظم حشر تک دیدار میں مشغول ہے
روح میری ہر مقامِ نور میں مقبول ہے
میں وجودِ نور ہوں میں حال وقال وفعل میں
میں ہوں یٰسین وطٰہٰ میں نور میں وَالـلّیل میں

تعریفِ فقر

فقر کی ف ق ر سمجھا تو وہ کامل فقیر — فا فنائے نفس ہے اور قاف ہے قلب منیر
رحمتِ اللہ را سے اور رحمت مصطفیٰ — مصطفیٰ ہیں جانِ رحمت شانِ ذاتِ کبریاء
فرد ہے فردانیت میں فا، فنا فی اللہ سے — ق ہے قربِ الٰہی قدرتِ اللہ سے
را سے رازِ عشق اور اسرار ہونا چاہیئے — قلب سے تصدیق اور اقرار ہونا چاہیئے
فقر ہے بارِ امانت بس اُٹھانا چاہیئے — فقرِ احمد کے تعلق کو نبھانا چاہیئے
فا سے فتنوں کو فنا کر فا سے مٹ جائے فساد — شر مٹا کر خیر سے کر عشق میں اللہ کی یاد
فقر میں انسان کو بس استقامت چاہیئے — منزلِ صبر و رضا میں عدل و حکمت چاہیئے
گر یگانۂ خدا بے گانۂ دنیا ہوا — قربِ حق میں وہ جمالِ یار کا شیشہ ہوا
بات وہ کرتا ہے باطن میں خدا کے نام سے — لوگ یہ سمجھا کرینگے ہے مخاطب عام سے
انبیاء اور اولیاء کرتے ہیں فقراء سے خطاب — فقر کے حالات کیا ہیں کہ فرشتوں کی کتاب
فقر کی تقریر سنتے ہیں محمد مصطفیٰ — فقر میں ہوتا نہیں ہے واسطہ جبرئیل کا

نفسِ امّارہ فنا ہو روح بھی فرحین ہو
فقر میں عارفؔ شہادت کا بڑا شوقین ہو

عرش و قلب

فطرت میں عناصر ہے یہ عرفان ناشناس — خود اپنی حقیقت سے ہے انسان ناشناس
تو سر و نفس قلب و خفی روح و اخفیٰ — آ چار عناصر کے حجابوں سے نکل آ
قدرت نے ہر ایک چیز کے غلبہ کو توڑ کر — تجھ کو بنادیا ہے وہ انسان کا پیکر
مانا بہت وسیع ہے ترا عالم کبیر — اس میں نہیں ہے حضرت انسان کی تاثیر
گو عالمِ کبیر میں عرش مجید ہے — پر حضرت انسان میں ذات شہید ہے
انساں کا قلب عرش معلّیٰ کا ہم صفات — جلوہ نما ہے پیکر خاکی میں حق کی ذات
مرکز تجلیات کا ہے وہ عرشِ سماوات — انسان کو نصیب ہے دل اور شعورِ ذات
دل کو عطا ہے عشق کا جذبہ شعور سے — اور یہ شعور کیا ہے کہ وابستہ نور سے
یہ اور بات ہے کہ جبلت میں جدا ہے — بندہ ہے کہیں کوئی، کہیں خود کا خدا ہے

یہ نفس پہ حاکم بھی ہے محکومِ نفس بھی
طائر بھی ہے عارفؔ یہی طائر کا قفس بھی

دردِ دل

اغیار میرے جسم کے اجزاء کی طرح ہیں
تکلیف سے غیروں کی تڑپتا ہے مرا دل

غائب تھا درمیان سے میرا وجود بھی
کوئی مجھے بلاتا ہے جاتا ہے مرا دل

آنکھیں بھی مری غیر ہیں کس طرح میں دیکھوں
تو آ کے مجھے دیکھ لے تنہا ہے مرا دل

ہے واعظان خشک کا عوام سے خطاب
میں دل سے ہم کلام ہوں سنتا ہے مرا دل

دل میرا لے کے یار نے فرمایا اےئ عارفؔ
سینہ ہے ترا اور دھڑکتا ہے مرا دل

نظمیں

رمزِ سربستہ

رمزِ سربستہ سے گر آگاہ بندہ ہوگیا　　نور کی معراج ہوگی گر تو خود کا ہوگیا
سر بسر سرشار عشق حق نہیں تو کچھ نہیں　　بند ہو تیری زباں اور دل ہو تیرا دور بیں
فعل تیرا گر خدا کیساتھ ہے اخلاص ہے　　خود کے خاطر ہے اگر تو یہ ہوس ہے آس ہے
تو فنا کا اور بقا کا ذکر کرتا ہے اگر　　کیوں خیالی گھر بناتا ہے خیالی آگ پر
حق کو کرتا ہے طلب راگ وسماع کے نام پر　　پڑھ لے بس قرآن خود کو اور خدا کو جان کر
جسکو کہتے ہیں شریعت وہ ہیں اقوالِ نبی　　جسکو کہتے ہیں طریقت وہ ہیں افعال نبی
صرف احوال نبی میں معرفت کا راز ہے　　اور حقیقت کیا نبی کے عشق میں پرواز ہے
یار کو دیکھا ہے میں نے غیر کو دیکھا نہیں　　گر گئی دیوارِ ہستی اب کوئی پردہ نہیں
صدق کو صدیق سے ہیبت عمر سے پایئے　　شرم عثماں سے علی سے آنکھ لیکر آیئے

قبلۂ مردانِ حق کی جان ہے ذاتِ قدیم
قلبِ عارفؔ کی تجلی لطف و الطاف عمیم

علم تصوف

تصوف عشق ہے ایمان ہے اعمال سے زندہ
فرشتہ تو نہیں انسان ہے اعمال سے زندہ

عمل نیت کا حامل ہے عمل کی روح نیت ہے
یہی جسمانی طاقت ہے یہی روحانی قوت ہے

تقاضا کیا اطاعت کا ریاضت کا عبادت کا
مٹا کر نفس کو بس جام پینا ہے شہادت کا

محبت یار کے دیدار کے قابل بناتی ہے
وہ تیرے روبرو ہی تیری ہستی کو مٹاتی ہے

جنونِ عشق ائے عارفؔ اگر ہے عشق میں کامل
یہاں دم توڑ دیتی ہے یہ تیری عقلِ بے حاصل

رُتبۂ کونی

رتبۂ کونی میں جان ونور ہم آہنگ تھے　　رمز وحکمت علم بھی ارواح میں ہم رنگ تھے
پھر مرکب کونیہ شئے میں مثالی ہوگیا
وہ جلالی نور مطلق تھا جمالی ہوگیا
با تجلیٔ عناصر عالم محبوس میں　　خود ہوا جلوہ نما وہ ہر نئے ملبوس میں
ایک انساں کے سوا جلوہ نما تھی کائنات
جب کیا اس نے ارادہ پیش آئی کُن کی بات
ایک تجلی خاص تھی آدم کو ظاہر کردیا　　اس کی عظمت کیلئے الطاف کا جوہر دیا
جامعِ جملہ مراتب واجبہ اور کونیہ
حضرت انسان کیا ہے؟ نوریہ جسمانیہ
نورحق ہی جب متعین ہوگیا آدم کیسا تھ　　جب ہوا تیار دولہا آ گئی ساری برات
عین ثابت نور سے صورت میں جلوہ گر ہوا
ہر نئی صورت میں آدم بن کے وہ ظاہر ہوا
عرش بھی ہے فرش بھی اول سے آخر نور ہے　　اصل میں عارفؔ ترا باطن وظاہر نور ہے

ہستی ناپائیدار

مستقل ہو نہیں سکتی یہاں ہستی کوئی　　ذاتِ مطلق میں گزرنا نہیں بستی کوئی
عقل چمکے گی تو ایک برق کے مانند مگر　　اپنی حد میں ہی فنا ہوتی ہے جگنو بن کر
تومحض ایک تجلی ہے وہی علمِ قدیم　　تیری تقدیر کا حاصل ہے تری عقل سلیم
حکم وآثار میں ظاہر ہے تو موجود نہیں　　صورتِ علمِ الٰہی ہے تو معبود نہیں
تو خلیفہ ہے خلافت سے نوازا تجھ کو　　زیب دیتا ہے عناصر کا یہ غازہ تجھ کو
نور وظلمات کا معجون ہے بندہ تو ہے　　عکسِ آئینہ میں نکھرا ہوا جلوہ تو ہے
عارضی ہستی تری علم کا زیور جیسے　　نور موجود ہے اس بحر میں گوہر جیسے
تو ضمیمہ ہے ذرا عشق کی پرواز بھی دیکھ　　لوحِ محفوظ کے سینے میں لکھا راز بھی دیکھ
حسنِ معشوق کا ہر ناز اٹھالے ائے دل　　سوزِ فرقت ہی تجھے عشق میں ڈھالے اے دل
گر ترا علمِ یقیں نورِ وجودی ہوگا　　عین اور حق سے ترا عشق شہودی ہوگا
نور پرُنور کا پیکر یہی انساں ہوگا　　پھر تجھے بارِ امانت کا بھی عرفاں ہوگا
نور سے علم کا خاموش تقاضا سن لے
گوشِ باطن سے ائے عارفؔ کبھی کلمہ سن لے

ایک فلسفی کا سوال

❄

آج ہم سے ملا تھا اک ناداں
تھا عذاب و ثواب سے نالاں

پوچھا حکمت سمجھ نہیں آتی
ہے تو ہر چیز میں وہی یزداں

کوئی زندانِ جہنم کا اسیر
اورکسی کو ملا ہے باغِ جناں

راز کھلتا نہیں ہے کثرت کا
ہم ہیں وحدت میں کس طرح پنہاں

سن کے یہ بات مسکرائے ہم
دشمن عقل کو بتائے ہم

اپنے اعمال پر نظر کرلے
یہ جہنم ہیں یاکہ باغ جناں

مسئلہ علم حقائق

❄

مسئلہ علم حقائق پہ جرح مت کر نا
سب سے افضل ہے محمدؐ کی اطاعت کرنا

صاف کہتے ہیں خدا آیا محمد بن کر
خود ہی مخلوق کو پیدا کیا احمد بن کر

وحدت ہستی سے مانا کہ کوئی غیر نہیں
علم توحید نہیں ہوتا دلائل کا یقیں

ایسی باتوں میں ہے ظلمت کہ یہ گمراہی ہے
سچ بتا کیا تجھے اسرار سے آگاہی ہے

واقف علم اور عرفان اگر ہوتا تُو
خوب تھا عامل قرآن اگر ہوتا تُو

ان مسائل میں ہے رہبر کی ضرورت ناداں
ورنہ ہو جائے گا غارت گرِ دین وایماں

کیوں تحفظ و مراتب کا تجھے پاس نہیں
شرف مخلوق پہ پایا بھی تو احساس نہیں

کھول قرآن اطاعت کا سبق پڑھ پہلے
تو ہے مومن تو محبت کا سبق پڑھ پہلے

اصلِ ایمان اطاعت ہے تجھے کیا معلوم
یہ اطاعت ہی عبادت ہے تجھے کیا معلوم

شکل انساں میں نبی نے ہے سکھائی طاعت
وہ نبی اور برائے نبی آئی طاعت

تو اگر عشق محمد میں وفا تک پہنچا
سلسلہ تیری اطاعت کا خدا تک پہنچا

اسلئے بندے کو بندہ ہی بھلا رہنے دے
کہدے انسان کو انسان خدا رہنے دے

جامع علم اور اخلاق تھے نبی عارفؔ
جنکے عرفان سے محروم ہے ابھی عارفؔ

تجلیاتِ حق

اک تجلی خود پہ کر کے ذات کا جلوہ ہوا — میم کی بن کر حقیقت برزخِ کبریٰ ہوا
وہ علامت علم کی ظاہر کیا بن کے علیم — ہوگئی کثرت میں روشن حکمتِ رب قدیم
اک تجلی اور تفصیلات کی خود پر کیا — امتیاز عین سے وہ صورتیں ظاہر کیا
نورِ انساں کی حقیقت میں تجلی ڈھل گئی — اور بطون ذات میں انساں سے آ کر مل گئی
وہ تقدم اور تاخر، عقل انسانی سے دُور — وقت کو گردش نہ تھی ظاہر ہوا اس کا ظہور
پھر تجلی عالمِ ارواح میں ڈھلتی گئی — ذات سے شئی کو مثالی زندگی ملتی گئی

حضرتِ انسان

نظر بر سجدہ گاہی سے مرادِ خاک حاصل ہے — یہی مبدائے قالب ہے اسی میں نور کامل ہے
بقول مصطفیٰ ہر شئی ہے اپنی اصل کی طالب
بدن کی اصل کیا ہے؟ خاک ہم پہ خاک ہے غالب
مگر اس خاک میں پنہاں حقیقی نور رہتا ہے — عناصر کی نگاہوں سے مگر مستور ہوتا ہے
ملائک نور تھے تو نور کا میلان غالب تھا
وہی مسجود بنکر جلوۂ یزدان غالب تھا

عالَم اور صورتیں

ہے صورت حق عالم ممکن تو کیا کروں — آ اے رموز کم میں تجھے آشنا کروں
یعنی کہ شکل علمیہ ہے ممکنات میں — ظاہر میں ہے وجود و موجود ذات میں
ہر شئی کا تصور میں ہے تصویر خانہ دل
خارج میں کچھ نہ پائے گا تیرا دیوانہ دل
اک صورت علمی ہے بشر ایک خدا ہے — جب چاہے وہ موجود یا معدوم کیا ہے
اس طرح علم حق کی کئی صورتیں ہیں سب — خالق کو ہی معلوم ہے تخلیق کا سبب
جب چاہے جیسی چاہے وہ صورت بنادیا
جب چاہے جہاں چاہے بنا کر مٹادیا
تو بھی تو اسی علم کی اک شکل ہے انساں — درجات و مراتب میں مگر فرق ہے ناداں
بے فرق برابر ہیں یہاں جنس و بشریت — واحد ہے تری اور ہر اک شئی کی حقیقت
ممکن کو اس کے عین سے دیکھو تو بات ہے
بس عین علم صورت انساں کی ذات ہے
عارفؔ وہی تو راز ہے کل موجودات میں — اس کے سوا نہیں ہے کوئی کائنات میں

قبلۂ وکعبہ وبت

❊

اک فلسفی نے پوچھا وحدت وجود کیا ہے سجدہ روا نہیں کیوں بت میں بھی تو خدا ہے
گر سجدۂ صنم سے ظاہر ہے شرک میرا پھر کیوں خدا حرم میں محصور ہوگیا ہے
یہ مصلحت نہ سمجھی بت کو حرام سجدہ کعبہ کی طرف سجدہ آخر کو کیوں روا ہے
میں نے کہا اے ناداں تو آشنا نہیں ہے یہ راز علم و حفظِ مراتب میں چھپا ہے
مانا کی سب کی ایک حقیقت ہے وہی نور درجہ بدرجہ حق ہے شریعت ہے وہی نور
ہر شئی کو اک ظہور ملا مرتبہ ملا تحت الثراء میں آگ ہے جنت ہے وہی نور
ہر ایک امر میں حکم واثر خاص کردیا کیوں شر کو دیکھتا ہے کہ حکمت ہے وہی نور
ابلیس بھی تو حکمت کامل کا اثر ہے آدم سے ہم آغوش ہے رحمت ہے وہی نور
دراصل اصل ایک ہے ہر خاص وعام کی بعد از خدا ہے شان رسولِ انام کی
مانا کہ شر کا خاصہ ہے ظاہر حواس میں باطن میں خاصیت ہے نبوت کے نام کی
قبلہ کی اہمیت بھی نبوت کا راز ہے تعظیم الگ ہوتی ہے ہر اک مقام کی
ماں بیٹی اور بہن میں وہی نور جلوہ گر شرع میں ہے تمیز حلال و حرام کی

عارف پہ بھی واجب ہے یہاں حفظِ مراتب
ورنہ نہ ہوگی شئی بھی کوئی احترام کی

وحدت الوجود

❊

آ وحدتِ وجود کے قائل تجھے بتادوں آدابِ شریعت کا تجھے جام پلادوں
کیا پوست کے بغیر کہیں مغز رہا ہے؟
جب مغز سے ہی پوست بھی پروان چڑھا ہے
ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہے دونوں ایک دوسرے کے علم ومعلوم ہیں دونوں
اس طرح شریعت میں حقیقت کا پتہ ہے
دونوں کی نسبتوں میں نہاں تیرا خدا ہے
بابِ شرع کو چھوڑ کے ظلمات میں مت جا عقل وخرد کی جھوٹی خرافات میں مت جا
یہ راز ذرا سن لے اے بیدادِ شریعت
مجذوب کی تکلیف ہے آزادِ شریعت
مجذوب جفا ساز بھی مجذوب ہی ہوگا مجذوب خدا ساز بھی مجذوب ہی ہوگا
پھر اس مقامِ و حال میں آزاد ہے بندہ
اور شرع کی تکلیف سے بے داد ہے بندہ
عارف لحاظِ شرع بھی تجھ کو عزیز ہو یعنی کہ ہر مقام کی تجھ میں تمیز ہو

صورتِ حق

❋

صورتِ حق کو تونے کیا سمجھا　　خود کو نادان نے خدا سمجھا
تیرا چہرہٗ ہی تیری پہچاں ہے　　لوگ کہتے ہیں تجھ کو انساں ہے
تیری صورت تری حقیقت ہے　　تیرے عرفان کی یہ صورت ہے
دیکھ ہر چیز ہے آیات اللہ!　　بس یہی ہے فثم وَجْہُ اللّٰہ
کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھُہٗ　　یہ بھی اک راز ہے نہ سمجھا تو
آئینہ تو ہے اور وہ مظہر ہے　　تو نے سمجھا یہ اس کا جوہر ہے
شئی کا کلِ مجموعہ ہے صورت کا　　علم تجھ کو نہیں حقیقت کا
رمز عارف سے پوچھ صورت کا　　یہ ہے پہلا قدم طریقت کا

تصورِ شیخ

❋

بُت بظاہر یار ہے تیرا خیال　　اصل میں کرتا ہے بت کو پائمال
تو بھی اس کا غیر ہے لیکن عزیز　　تجھ کو انساں کرگئی شرعی تمیز
غیرِ حق تو غیر ہے حق ہے کفیل　　شیخ ہے توحید میں تیرا وکیل
دیکھ کر روشن ستاروں کی دلیل　　رب سمجھ کر خوش ہوا رب کا خلیل
پھر کہا یہ ڈوبنے والے خدا　　ربِّ قدرت اور ہے تارے جدا
باطل و حق میں کیا خود فیصلہ　　یہ خیالِ بت شکن تھا با خدا

صدائے ذاتِ انسانی

❋

شان مری دیکھ، کرّمنا میں ہے　　بس وہی جلوہ مرے اجزاء میں ہے
خاک کا پتلا سہی انسان ہوں　　سچ کہوں تو صورتِ رحمٰن ہوں
مظہر سّرِ خدا انسان ہوں　　وہ خدا ہے میں خدا کی شان ہوں
بـا کا نکتہ سین میں وناس میں　　بو ہے گل میں گل کا جلوہ باس میں
چشمِ حق سے خود ہی کرلے فیصلہ　　کون ہے تو کون میں کس سے جدا
میں ترا ہوں تو ہے میرا راز کیا　　مــن عــرف کا گیت کیا آواز کیا
عالَمِ ملکوت میں چرچا مرا　　ذرّے ذرّے سے ہے اک رشتہ مرا
عرش سے بہتر ہے میرا جسم خاک　　ورنہ کرلوں گا ابھی دامن کو چاک
وحدتِ باطن ہوں واحد کی طرح　　لڑرہا ہوں میں مجاہد کی طرح
میں تری صورت ترا عرفان ہوں　　دیکھ لے مجھ کو تری پہچان ہوں
جب سے کوہِ طور خاکستر ہوا　　میری ہستی میں تو جلوہ گر ہوا
جھک گئے سارے فرشتے عجز سے　　میں اٹھا بارِ امانت کے لئے
دیکھ لے ہمت تو مشتِ خاک کی　　اب تو آجا میں نے ہستی چاک کی
دیکھنا ہنسنا سمجھنا اور خموش　　ہوگئے بیکار میرے عقل وہوش

مجھ کو کافی ہے تصور یار کا
میں ہوں عارفؔ عشق کے اسرار کا

تحقیق کلمہ

❄

نادان کفر و شرک نہیں کلمہ کے اندر
تو خود پہ کبھی ظاہر و باطن پہ غور کر

موجود و معبود و مقصود و مشہود
اسکے سوا نہ کوئی یہاں ہست ہے نہ بود

ان چار مقاموں میں نہ خود کو شریک کر
تصدیق و اقرار غلط ہے تو یہ اکفر

صنعت ہے تو صانع نہیں بندہ ہے مقید
مخلوق کی حد ہوتی ہے خالق ترا احد

نہ خود الجھ نہ غیر کو الجھا، نہ کر نفاق
عرفاں نہیں ہے ناداں یہ عرفاں کا مذاق

اچھی نہیں ہے شرع محمد سے عداوت
کر اختیار اپنے بزرگوں کی شرافت

تو کلمۂ توحید پہ تہمت نہ دھرا کر
تجھ کو نہ سمجھ آئے تو عارف سے ملا کر

عشق واخلاق

❄

آتا ہے مزہ عشق کا اقلیم عشق میں
خود خانقاہ یار ہے تعلیم عشق میں

دُشنام ترازی کا ادب ہی جواب ہے
فقراء میں ادب کیا ہے کہ امّ الکتاب ہے

شکوے گلے لعن وطعن ذلت و الزام
درویش کے رستے میں ہے شیطاں بے لگام

ہر شخص ہے آزاد مگر بانکپن ہے
لیکن ہمارا شیخ ہمارا وکیل ہے

مانا کہ چاند تارے بہت آسماں میں ہیں
گنتی کے قلندر ہیں جو سارے جہاں میں ہیں

اے عالم وفاضل تری باتوں میں اثر ہے
ہیرا تراش مردِ قلندر کی نظر ہے

قوال کے اقوال سماع اور مزامیر
گو بزم نظامی تو ہے خسرو نہیں امیر

علماء کا علم حفظ و بیاں بے اثر ہوئے
سجادہ نشیں باپ تھے بیٹے خضر ہوئے

علماء کا علم مسجد و منبر کا غزالی
مسجد کے مؤذن کا ہے بہروپ بلالی

علماء کا علم کیا ہے کہ سرمایۂ حیات
اچھا ہوا کہ مل گئی عرفان سے نجات

دل اور فقر کیا ہے قلندر کی ذات کیا
ظلمت کدے میں نور کیا تاریک رات کیا

گر حد دلائل سے گذرنا ہے جام پی
ساقی کی مست آنکھ سے تو صبح شام پی

یہ بادۂ توحید ہے اس کا اثر بھی دیکھ
منزل بھی راستہ بھی ہے کامل خضر بھی دیکھ

عارفؔ بنے ہوئے ہیں قلندر سے مراسم
مرنے سے پہلے لیتے ہیں مرنے کا مزا ہم

علم ظاہر و باطن

علمِ ظاہر ہے دلائیل اور ثبوت — علمِ باطن کیا ہے کہ فقر و صفوت
اہل ظاہر عالم شرعی، تمیز — اہل باطن رمز و عرفان کے رمیز
اہل ظاہر ہیں حرم سے محترم — اہل باطن خود تجلی کا حرم
اہل ظاہر شرع میں موجود ہیں — اہل باطن شاہدِ مشہود ہیں
اہل ظاہر شرع میں اہل دلیل — اہل باطن عاشقِ ربِّ جلیل
اہل ظاہر پر دلیلیں ہیں حجاب — اہل باطن پر خدا ہے بے نقاب
فقر کیا ہے ابتداء اور انتہاء — یعنی ظاہر ہے خدا باطن خدا
نفس کا عرفان ہونا چاہیئے — صاحبِ ایمان ہونا چاہیئے
علم سے رستہ عمل سے نور ہے — عشق سے توحید میں منصور ہے
علم مع عرفان ہے تو خوب ہے — علم کیا ہے؟ عشق کا محبوب ہے
لطف سے محروم ہے تو کیا نماز — بے حقیقت جسم کی حرکت مجاز
اہل ظاہر کبر میں رہنے لگے — یہ اَنا خَیرٌ مِّنہُ کہنے لگے
عزت و القاب پہ مغرور ہیں — یہ رئیسوں کے بہت مشکور ہیں
حال و باطن معرفت کا راز کیا — قرب کیا ہے وصل کیا اعزاز کیا
تو بھی بن جا اسمِ اعظم کی طرح — عشق کیا ہے روح عالم کی طرح

تو ہے سالک تجھ کو رہبر چاہیئے
مجھ کو اے عارفؔ قلندر چاہیئے

حقیقتِ فقر

❄

گر ذوقِ فقر ہے تو شرافت قبول کر　　سرکارِ دو جہاں کی اطاعت قبول کر
گر نفس کا محاسبہ منظور ہے تجھے　　صدیقِ صداقت کی امامت قبول کر
کرنا ہے احتجاج اگر نفس کے خلاف　　منصف ہے بس عمر کی عدالت قبول کر
آتی ہے اگر نفس کے کردار سے حیا　　عثمان کی حیا سے مروّت قبول کر
حرص و ہوس میں غرق اگر نفس ہے ترا
شیرِ خدا کا درسِ سخاوت قبول کر

قرب و جمالِ حق کی اگر ہے تجھے تلاش　　عرفانِ جبرئیل کی عظمت قبول کر
مرنے سے پہلے موت کے اسرار کو سمجھ　　ورنہ تو عزرئیل کی دعوت قبول کر
تیرا وجود بارشِ رحمت ہو عشق میں　　میکائیلِ کرم کی شفقت قبول کر
آہوں سے تیرے عشق کی تاثیر ہو ظاہر　　تو صورِ سرافیل کی علت قبول کر
عارف مقامِ فقر سے گر آشنا ہوا
دیدار کا حقدار ہے قربت قبول کر

عالمِ ظاہر

❄

تو صاحب زبان ہے عالم ہے مہذب　　کرتا ہے تو الفاظ میں حکمت کو مرتب
تیرے بیاں میں جسم ہے معنیٰ میں دل نہیں　　انسان نور بھی ہے فقط آب و گل نہیں
تو دل سے بول ذکر الٰہی کا نور دیکھ
کہنے سے پہلے اپنی انا کا فتور دیکھ
انفاس کو مردہ نہ کرے تو بیاں نہیں　　عالم ہے شریعت کا مگر رازداں نہیں
کبر و حسد و حرص و طمع اور ہوا ہوس　　دشمن ہیں یہ تاثیر کے دو چار پانچ دس
گر ذاکر قلبی سے ترا رابطہ رہا
کرتا ہے اثر وعظ اگر پارسا رہا
باطن میں انبیاء کی نشستوں میں رہے گا　　ظاہر میں اولیاء کی محافل میں کہے گا
صحبت کا فیض برکتِ اسمِ خدا بھی دیکھ　　تجھ سے ملیں گے انبیاء اور اتقیاء بھی دیکھ
تاثیرِ قلندر سے تو روشن ضمیر بن
کافی اگر خدا ہے تو کامل فقیر بن
ہمرازِ خداوند کہا جائے گا تجھ کو　　اسرار کا پابند کہا جائے گا تجھ کو

عاملِ نفس

ذکرِ ربانی کے ذاکر بھی ہوا کرتے ہیں — یہ تمنائے موکل میں جیا کرتے ہیں
لذت و عزتِ دنیا کی ترقی کیلئے — ذکر کرتا ہے تو رجعت ہے آدمی کیلئے
اپنے مطلب کیلئے عاملِ جنات ہوئے — ایسے عامل یہاں محصورِ خرافات ہوئے
صرف دنیا ہی تو دیتے ہیں یہ اعمالِ رسوم — ضبط ہو جاتے ہیں اللہ کے اسراری علوم
عشق اور شوق وطلب طاعت و توفیق نہیں — غرض جنات ہیں ایمان کی تصدیق نہیں
صرف حلیہ ہے کہ صدیق نظر آتے ہیں — اور باطن میں یہ زندیق نظر آتے ہیں
علمِ نفسانی سے تو دنیا ہی ملا کرتی ہے — اور دنیا ہے کہ یہ حق سے جدا کرتی ہے
ذکر سفلی ہے جہل غم ومقدر کا زوال — ایسے افعال سے بنتی نہیں تصویرِ حلال
قدر و توقیر و دنیا میں تو عزت ہوگی — بعد مرنے کے تجھے خود سے ہی نفرت ہوگی
روشنی ہے نہ وسیلہ ہے نہ ذریعۂ نجات — عاملِ نفس کا انجام ہے شیطان کیساتھ
اس کو معلوم نہیں دل کی امیری کیا ہے — آ ذرا سیکھ قلندر سے فقیری کیا ہے
اس کی بس ایک نظر نفس کی قاتل ہوگی — تیری ہستی ہی ترا آئینۂ کامل ہوگی
تجھ پہ مخفی کا بھی اظہار کیا جائے گا — تجھ کو لاھوت کا سردار کیا جائے گا
پھر تجھے غرضِ موکل نہ ضرورت جن کی — تو ہی خود ہوگا حقیقت میں حقیقت جن کی

آ اے ذاکر تو قلندر کا سوالی ہوجا
خاک پھر خاک ہے عارفؔ تو جمالی ہوجا

وجودِ خودی وجودِ خدا

ذات میں جب تک فنا ہوتا نہیں تیرا وجود — قربِ حق میں راز کی صورت نہیں ہوتا وجود
تو مقامِ لی مع اللہ تک نہیں جا پائے گا — تیری آنکھوں تک رہیگا حشر تک پردہ وجود
حرکت وافعال تیرے جب تلک ساقط نہ ہوں
ہو نہیں سکتا کبھی حق میں ترا جلوہ وجود
تو ہدایت کی طرف آ، یہ نہایت ہے تری — پھر تجھے وحدت میں حاصل ہوگا پاکیزہ وجود
گر فنا میں تیرا ذرّہ بھی اگر باقی رہا — ڈھونڈ لے گا پھر تجھے ناسوت میں تیرا وجود
تو فنائے نفس سے روحِ بقا کا راز بن
پائے گا اسرار کی صورت میں پوشیدہ وجود
حال و مقامِ موت سے آگاہ رہے گا — مرنے سے پہلے مر کے ملے گا نیا وجود
کامل کی زندگی ہے خضر تیرے راز میں — یعنی مقامِ عشق کا ہے راستہ وجود
توفیق و تصدیق ہو تیرے طریق میں
مخلوق میں ہو باعثِ برکت ترا وجود
عارفؔ کو زندگی سے شکایت نہیں رہی — خود بن گیا ہے میرے لئے راستہ وجود

مسئلۂ خیر وشر

خیر سے لطف و عنایات کا جوہر نکلا	خیر سے صاحبِ لولاک کا مظہر نکلا
خیر ہے عشق محمد کے طلبگاروں میں	خیر انوار ہے خالق کے وفاداروں میں
اتباع خیر کی رحمت میں بدل جاتی ہے	علم وعرفان کی تاثیر میں ڈھل جاتی ہے
صاحبِ خیر کو برکت بھی عطا ہوتی ہے	سنتِ احمدِ مرسل بھی ادا ہوتی ہے
خیر کو رحمتِ باری کا خزانہ سمجھو	خیر کو عشقِ محمد کا ٹھکانہ سمجھو
شر سے شیطاں ونفس کفر کی تخلیق ہوئی	شر سے آفت ہے بلا مرض ہے شر تاریکی
شرک ونفاق جنم لیتے ہیں شر سے اکثر	کام شیطان کے ہوتے ہیں بشر سے اکثر
شر شرافت میں نظر آتا ہے صورت کیطرح	شر ہے انسان میں شیطان کی سیرت کیطرح
شر سے انسان فسادات میں ہوتا ہے بشر	شر ہی شیطان کا ہتھیار ہے شیطان کا گھر
نفسِ امّارہ سے ملتی ہیں غذائیں شر کو	خواہشیں دیتی ہیں نوخیز ہوائیں شر کو
خیر ہے خیر کو جنت کا نمونہ سمجھو	شر کے انجام کو دوزخ کا ٹھکانہ سمجھو

خیر کے راز وعرفان کو سمجھا عارفؔ
شر تو شیطان ہے انسان تماشہ عارفؔ

انوارِ علم

علم سے انسان ہے انسانیت سے زندگی
علم کیا ہے کشف ہے الہام دل کی روشنی

علم قلب ونور ہے یہ شاہد ومشہود ہے
علم ہی پایا نہیں تو زندگی بے سود ہے

علم وصل وقرب میں ہے علم ہے توحید میں
علم ذکر وفکر میں ہے علم ہے تمجید میں

انکشافِ نورو رقبہ اور توجہ علم ہے
اور تخلیقاتِ دوعالم کا منشاء علم ہے

نفس کی خطرات کو آگاہ کردیتا ہے یہ
آدمی کی فکر کو گہری نظر دیتا ہے یہ

معرفت ورویئتِ رب کا تقاضا علم ہے
قربِ حق میں نور ہے دیدار وجلوہ علم ہے

علم رستہ علم منزل علم کیا ہے روشنی
علم سے زندہ ہے عارفؔ اہلِ دل کی زندگی

رازِ خموشی

نادان کے لئے صرف جہالت ہے خموشی
دانا کے لئے علم ہے حکمت ہے خموشی

دنیا کی محبت کا تقاضا نہیں کرتے
ذاکر کے لئے ذکر و عبادت ہے خموشی

خاموش کیا کرتے ہیں ہم جہدِ مسلسل
مرنے سے پہلے اپنی شہادت ہے خموشی

واقف نہیں عرفانِ خموشی سے اگر تو
نازک مزاج کے لئے زحمت ہے خموشی

خاموشی جسے کہتے ہیں حکمت کی نشانی
غارِ حرا میں رازِ نبوت ہے خموشی

احکامِ الٰہی میں یہ تعظیم و ادب ہے
اور اہل زمانہ میں شفقت ہے خموشی

توحید میں لازم ہے خموشی کا سلیقہ
عثماں کی قضا اور تلاوت ہے خموشی

خاموشی ہے جنید کا تقویٰ و توکل
شبلی تیرے باطن کی حقیقت ہے خموشی

قرآن نے اسرار خموشی کے بتائے
عارف کے لئے رمزِ محبت ہے خموشی

غزلیات

غزل

مسلماں کو نہیں معلوم رمزِ بندگی کیا ہے
عبادت پوچھتی ہے ہم سے کہ سر دلبری کیا ہے

مری ہستی بظاہر کیا ہے کہ نقش نمائش ہے
اگر تو خود نہیں مجھ میں تو میری یہ خودی کیا ہے

تری وحدت میں کثرت کی کرشمہ سازیاں کیسی
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ خاکی آدمی کیا ہے

صفات و ذات وظلمت کا معمہ حل نہیں ہوتا
ابھی تک علم سمجھا ہی نہیں یہ زندگی کیا ہے

مقلد کو یہاں حاصل نہیں ہے دیدۂ تحقیق
ہمارے قلب میں آزادئ منظر کشی کیا ہے

ترے چہرے سے میری ذات کا آئینہ بنتا ہے
نفی کردوں اگر خود کی تری جلوہ گری کیا ہے

کہاں میں غیر ہوں اس ذات کا پرتو ہوں اے عارفؔ
اگر میں غیر ہوں تو خود بتادے آدمی کیا ہے

غزل

جام جمشید سے آئینہ سکندر سے ملا
وہ جو کعبہ کا مقدر ہے مرے گھر سے ملا

درد وہ جس کی تمنا میں گئے تھے موسیٰ
عشق کی شکل میں عاشق کو مقدر سے ملا

میں ترے نام کا نسخہ ہوں نہیں سمجھا کوئی
شرف یہ مجھ کو نہ مسجد سے نہ منبر سے ملا

تنی روشن ہے مری ذات میں تحریرِ صفات
یہ لطیفہ بھی ترے چہرۂ انور سے ملا

تری صورت میری صورت میں ہوئی ہے واجب
تیرا معنی تیری تحریر کے جوہر سے ملا

میں نے دیکھا ہے مکاں اور مکیں میں تو ہے
حال اور کشف مجھے آلِ پیمبر سے ملا

دیکھ تو مجھ کو طلسماتِ جہاں ہوں عارفؔ
خاک ہوں خاک کو رُتبہ بھی ترے گھر سے ملا

غزل

یہ وحدت و کثرت کا تماشہ عجیب ہے
انساں جسے کہتے ہیں وہ نسخہ عجیب ہے

عقبیٰ عجیب ہے نہ یہ دنیا عجیب ہے
در اصل سمجھ کو نہ سمجھنا عجیب ہے

گر نقش میں نقاش کا جلوہ نہیں دیکھا
اندھا یہی کہے گا کہ دنیا عجیب ہے

مئے پی مٹا کے نقشِ دوئی زاہدِ حرم
توبہ تڑپ کے بولے گی پیالہ عجیب ہے

کتنا خدا فروش ہے باریش ناصحا!
تعویذ و وعظ میں تیرا دھندہ عجیب ہے

فتویٰ پہ نہیں تولنا بادہ و علم کو
میکش سے ہمسری کا یہ دعویٰ عجیب ہے

قطرہِ شراب پائی ہے جنت کو بیچ کر
عارفؔ یہ بادہ خواروں کا سودا عجیب ہے

غزل

ذرّہ ہوں تیری ذات کا نسخہ ہوں دیکھ لے
میں تیری کبریائی میں کیا کیا ہوں دیکھ لے

تفصیل کون، مجملِ کونین کون ہے
وہ ہے خدا، خدا سے میں بندہ ہوں دیکھ لے

مستوں سے پوچھ مستئی بادۂ عشق کیا؟
زاہد تری نظر میں تماشہ ہوں دیکھ لے

کہتے ہیں جس کو دل وہی امّ الکتاب ہے
میں خود دلیل ہوں میں حوالہ ہوں دیکھ لے

تو خال وخط سے مجھ کو سمجھتا ہے آدمی
میں نفسہٗ سے ھو کا اُجالا ہوں دیکھ لے

اعمال نیک، روز جزاء اور ثواب سے
آزاد ہو کے عشق میں الجھا ہوں دیکھ لے

عارفؔ حیات کیا ہے؟ یہی نقد وقت ہے
میں رند ہوں میں مئے کا کرشمہ ہوں دیکھ لے

غزل

مکاں سے دور ہے لیکن مکیں سے لامکاں ہے دل
سمجھ لو نفسۂ اور ربہ کا رازداں ہے دل

یہ سینے میں لٹکتا دل ہے شرفِ سوز سے غافل
یہ تیری جان میں پوشیدہ ہے، سرِّ نہاں ہے دل

نہیں سنتا کبھی یہ لن ترانی شوقِ ارنی میں
ہزاروں طور اور جلوؤں کی رنگیں داستاں ہے دل

تری تقریر ہے اسراف پھر بھی نامور ہے تو
اے واعظ درفشانِ علم سے کیوں بدگماں ہے دل

یقیں و بے یقیں کے درمیاں گر نفس آ جائے
پتہ ملتا نہیں خود کا اگر وہم و گماں ہے دل

تری تقریر میں اسراف کی لذت ہے پوشیدہ
سنا ہے خود مقرر سے ابھی تک بدگماں ہے دل

یہی تو شرط اوّل ہے فنا کی راہ میں عارفؔ!
عبادت بے شہادت سے بہت ہی بدگماں ہے دل

غزل

دلبری کا راز دلداروں سے پوچھ
زندگی کیا ہے یہ عیاروں سے پوچھ

روحِ تقویٰ ہے یہی شیخِ حرم
میکدے میں بیٹھ میخواروں سے پوچھ

خواب کی مانند ہے ہستی تری
کون ہوں میں درد کے ماروں سے پوچھ

عشق کیا ہے عشق ہی سے پوچھ لے
آگ میں جل جل کے انگاروں سے پوچھ

زندگی ہے چند سانسوں کا غرور
موت کیا ہے موت کے ماروں سے پوچھ

چھوڑ دے عارفؔ یہ دنیا ہے فریب
سایہ کیا ہے گرتی دیواروں سے پوچھ

غزل

ٹوٹے دل کی چارہ سازی کیجئے
دل بناکر دل نوازی کیجئے

سیکھ کر انساں بنانے کا ہنر
شیخ جی ہم کو نمازی کیجئے

جام وتوبہ بک رہے ہیں آج کل
سوچ کر یہ سودا بازی کیجئے

مہہ فشاں نظروں سے پینے دیجئے
سر اٹھاکر سرفرازی کیجئے

علم کی معراج ہے حسنِ عمل
بےعمل سے بے نیازی کیجئے

بن گیا قرآن علمِ عملیات
شوق سے تعویذ بازی کیجئے

عارفؔ حق بن نہیں سکتے اگر
تم عبادت بھی مجازی کیجئے

غزل

دل ہوا یا نور کا پودا ہوا
آدمی سے جانے میں کیا کیا ہوا

زندگی ”نہ اور ہاں“ کا راز ہے
نفس میرے نام سے رسوا ہوا

عشق کی خوشبو سے من آباد ہے
تن نہیں یہ تن میرا کلمہ ہوا

وعدۂ میثاق پر قائم کیا
یہ کرم ہے پیر کا بخشا ہوا

چھوڑدی دنیا پہ دنیا کی بہار
جب سے تیرے درد سے رشتہ ہوا

ترکِ دنیا فقر کا اعزاز ہے
میں خدا کے ساتھ ہی تنہا ہوا

راہِ حق میں جان عارفؔ کی گئی
تن سے مرکر یار میں زندہ ہوا

غزل

دیکھ تو ان کی طرف وہ کس قدر آزاد ہیں
ہم بھی سب کچھ چھوڑ کر ان سے ملے، آباد ہیں

دیکھ کر گذرے نظارے خود سے ہم واقف ہوئے
دل گیا ارماں گئے اب کچھ نہیں تو شاد ہیں

عشق کے صحراء میں آ کر ہم بھی مجنوں بن گئے
کل تلک تھے دوست سارے آج کل بے داد ہیں

عشق نے دونوں جہاں کو دل میں پوشیدہ کیا
جسم اور جسموں کی دنیا میں مگر برباد ہیں

وہ جنہیں عرفانِ حق حاصل نہیں فرعون ہیں
اپنے حق میں آپ ہی نمرود ہیں شداد ہیں

نفس تھا آزاد پنچھی دانۂ گندم چگا
ہم نے عارفؔ کرلیا ہے قید، ہم صیّاد ہیں

غزل

لا نفی ہے اور نفی انکار ہے
اس فنا کے بعد میرا یار ہے
کور چشمی کیسے سمجھے گا یہ راز
بے بصیرت آئینہ بیکار ہے
شکر ہے میں نور ہوں انسان ہوں
وہ مقید بوالہوس مردار ہے
دل مرا دیدار سے روشن ہوا
اہلِ دل کو یار کا دیدار ہے
ان کو دیکھا تو خدا آیا نظر
کس قدر دلکش ہمارا یار ہے
اطمینانِ قلب کہتے ہیں جسے
وہ تری توحید کا اظہار ہے
آئینہ میں عکس ہے یا جان ہے
خاک میری بے خبر بیکار ہے
عشق ہی عارفؔ مرا ایمان ہے
آنکھ کا مذہب ترا دیدار ہے

غزل

دل دیا ہے یار کو دیکھا نہیں تو کیا کیا
اپنے ہونے کو ہی تو نے ہو کے کیوں رسوا کیا

غیر کو دیکھا تو باطل ہوگئی انسانیت
عشق کے مذہب میں کیوں ابلیس کو پیدا کیا

حق کو حق کہنے سے ڈر جاؤں تو میں کافر ہوا
غیرِ حق کا دیکھنا باطل تھا میں توبہ کیا

یار ہے بے مثل اس کو دیکھنا بے مثل سے
تو تصور میں خدا کو کس طرح پیدا کیا؟

کس طرح تو علم سے اس کا احاطہ کرلیا
کفر سے اسلام کے مقصود کا رشتہ کیا

کر حضورِ قلب سے اس کی حضوری کی تلاش
بے حضوری کس طرح تو عشق کا دعویٰ کیا

نفس و قلب و روح سے عارفؔ ہے واقف قادری
علمِ حق کو سیکھ کر حق الیقین پیدا کیا

غزل

اُس کی طاعت گود سے آغوشِ مرقد تک کیا
یار سے وعدہ کیا تھا جی لیا اور مرگیا

پہلے کن تھا کنتُ کنزاً آخری انجام ہے
اول و آخر تو آخر ایک ہے میں ایک تھا

فقر میں توحید کا عرفان حاصل ہوگیا
ہم نے دیکھا ہے نیا چہرہ ہماری ذات کا

خواہشاتِ قلبِ غافل کو سمجھتا ہے تو ''جان''
زندگی کیا ہے خدا کے نام کا اِک مرتبہ

عارفؔ دیدارِ حق کا مرتبہ ہم سے نہ پوچھ
جس نے دیکھا پالیا وحدت کی صورت آئینہ

غزل

علم تیرا ہے یقیں علم الیقیں حاصل نہیں
حق یقین دیدار ہے، تو دید کے قابل نہیں

کلمۂ طیب نہیں ہے دعوئے رطب اللسان
کلمۂ تصدیق ہے یہ کلمۂ غافل نہیں

بوہریرہ نے جسے سینے میں دفنایا وہ راز
کون کہتا ہے میری تحریر میں شامل نہیں

کھال کھنچوائی تھی تبریزی نے جس انداز سے
آج کا اسلام اس انداز کا قائل نہیں

سرمدی نغمات سے اب دل دھڑک اٹھتے نہیں
بزم ہے یہ پتھروں کی اب کسی میں دل نہیں

چھوڑ کر صحرا نور دی قیس آئے شہر میں
آج کی لیلیٰ وہی عورت ہے پر محمل نہیں

عشق کیا ہے موت ہے اور موت وصلِ یار ہے
یار عارف راز ہے اظہار کے قابل نہیں

غزل

روح میری اور ہے یہ جان میری اور ہے
عشق میں جو دل پہ گذری وہ تجلی اور ہے

علم اِک توفیق ہے، رمزِ دلِ صدیق ہے
ذکر تیرا اور ہے تصدیقِ قلبی اور ہے

علم لوح کُن سے ہے انوار کی تفسیر ہے
علم اور معلوم حق ہے حق کی تختی اور ہے

علم سے عرفان اور توحید کے اسرار ہیں
علم ہے خواہش اگر عقبیٰ کی پونجی اور ہے

علم ہے کامل ادب صدق وصفا کا راز ہے
علم سے جو تو نہ پایا وہ ترقی اور ہے

تیرے خرقہ میں چھپا ہے خواہشوں کا بتکدہ
فقر کو تونے نہ سمجھا میری کفنی اور ہے

وہ محی الدین زندہ کرنے والا دین کا
پیر میرا، اس کی پیری، تیری پیڑھی اور ہے

آج بھی عارفؔ کی جاں میں جان بنکر ہے وہ پیر
دین اور دنیا اسی کی، اس کی پیری اور ہے

غزل

علم ایک نقطہ میں ہے نقطہ کو ظاہر دیکھ لے
اپنے باطن پر نظر کر خود کے اندر دیکھ لے

یا کبھی تو علم و نقطہ سے گذر کر دیکھ لے
تجھ میں کُنْ ہے تو بھی کُنْ ہے کُنْ کا جوہر دیکھ لے

دل پہ جب تک جھوٹ اور نفاق کا زنگار ہے
کچھ نہیں ہوگا تو اپنا پھوڑ کر سر دیکھ لے

تو عجب آزاد ہے تقلید سے فارغ نہیں
ہو فنا توحید میں توحید بن کر دیکھ لے

مردِ کامل کی غلامی تیری آزادی کا سر
نور کو نورِ نظر سے نور بن کر دیکھ لے

قرب کیا ہے نور ہے ناظر نظر کا راز ہے
عشق کے ایوان میں ہے حسنِ ظاہر دیکھ لے

نفس ہے نہ قلب ہے نہ روح کا ماتم یہاں
ذات کو عارفؔ یہاں بے ذات و بے سر دیکھ لے

غزل

ایک دم میں نور تک پہنچا وجود
پیر کی مانند ہے میرا وجود

کس قدر مجبور ہم نے کر دیا
بن گیا سیماب کا کشتہ وجود

فیض و فضلِ فقر سے ہم نور ہیں
نور ہم ہیں نور کا تارہ وجود

فقر کیا ہے؟ ملک اعظم دیکھئے
اسمِ اعظم بن گیا سارا وجود

آج سے کل بن گیا رازِ ازل
کل سے میرا بن گیا کلمہ وجود

رمزِ فقرِ معرفت توحید ہے
ہر جگہ میں ہوں مرا تنہا وجود

دیکھ اے عارفؔ محبت کا صلہ
موت میں زندہ ہوا میرا وجود

غزل

افضل و اعلیٰ وہی ہے مرشد و مولیٰ وہی
ذرّے ذرّے سے عیاں تنہا وہی یکتا وہی

علم کا پردہ پڑا حاسد نظر پہ کیا کریں
چشمِ بینا کے لئے تو ہے ترا جلوہ وہی

مولوی دیدار سے مجھ کو منع کرتا رہا
میں نے اس کی آڑ میں دیکھا ترا چہرا وہی

جان دے کر مہ لقاء کے وصل کا طالب ہوا
قربتِ محبوب میں اعزاز کا منشاء وہی

یوں تو میں حادث ہوں میرا مرتبہ ادنیٰ نہیں
بارگاہِ حسن میں حاضر وہی جلوہ وہی

ناقدوں کی بزم میں، میں نے کیا ہے راز فاش
آج بھی عارف وہی منصور ہے فتویٰ وہی

غزل

دل تُو رازِ کن کبھی ظاہر نہ کر
ناقصوں کی بزم ہے نمرود گر

شیشۂ دل میں نظر آتا ہے وہ
پر نظر کو چاہئے نورِ نظر

دل کوئی قصاب کا ساماں نہیں
دل تو ہے توحید کے رازوں کا گھر

لامکاں کا نور ہے دل لامکاں
خود سے ہرگز پا نہیں سکتا بشر

دل تجلّی گاہِ رب ہے دیکھئے
پر کہاں سے لاؤ گے تم وہ نظر

دل حقیقت میں ہے کیا نور و حضور
دل مقامِ مغفرت ہے سر بسر

فقر والی موت ہے ایک دم کے ساتھ
ہے حقیقت میں یہی عارف بشر

غزل

دیکھئے میرا جنونِ راہ بر
فاتحہ پڑھتا ہوں اپنی لاش پر

دو ہی سجدوں میں ترا دیدار ہے
اک فنا میں اک بقا کے دوار پر

وہ نماز راز میں حاضر ہوا
تو مصلہّ پر رکھا بے معنی سر

ذکر سے کبر و ہوا کو شہ نہ دے
فقر ہی توحید میں ہے راہبر

ذکر و علمِ ذکر سے کیا فائدہ؟
فقرِ وجہ اللہ سے آگے گذر

دم ازل ہے دم ابد ہے جانئے
دم سے عارف پاس ہے عقبیٰ کا گھر

غزل

غیب کو گر غیب میں دیکھا کروں
وہ نظر آئے وہاں تو کیا کروں

جان کو جاں سے نکالا اس لئے
سوچتا ہوں خود کو میں تنہا کروں

لفظی معنیٰ سے جدا جاں کو کیا
چاہتا ہوں عشق سے سودا کروں

نور بن کر نور سے دیکھا تجھے
ہر طرف ہے تُو کدھر سجدہ کروں

وہ تصور میں نہیں آتا کبھی
آ گیا تو پھر کسے پوجا کروں

دل میں وجہِ اللہ روشن ہوگیا
کیوں نہ عارف راز کو افشاء کروں

غزل

خاک میں خود کی تو خود دانہ بنا
بولیا تو خود کو دیوانہ بنا

بس فنا میں راز ہے توحید کا
بس فنا کے ساتھ یارانہ بنا

جانتا ہے تو مئے ناظر کا راز
نفس کی مٹی سے پیمانہ بنا

لا تَتّبع اَھواء پہ رکھنا ہے نظر
خود کو ہر خواہش سے بیگانہ بنا

معرفت اور قرب کے اعزاز سے
حضرتِ انساں کا افسانہ بنا

نفس کیا ہے ایک معمہ جسم میں
لفظ ہے یہ خود کو تو معنیٰ بنا

عالم و فاضل بنائے مدرسے
یار عارفؔ تو، تو میخانہ بنا

غزل

گر تو آئے میکدہ حاضر ہے یہ
یہ صراحی یہ سُبو ساغر ہے یہ

نام لے اللہ کا دائم ہے یہ
ما سویٰ اللہ سے بہتر ہے یہ

میکدہ خالی ہے میکش بھی نہیں
جانے کیسا مئے کا پیغمبر ہے یہ

طالبِ حق تو ہمارے پاس آ
کہہ اُٹھے گا واقعی رہبر ہے یہ

اسمِ اعظم تیرے دم کی جان ہے
علم ہے یہ، عقل ہے یہ، سر ہے یہ

آتشِ وحدت ہماری جاں میں ہے
صحبتِ جبرئیل سے بہتر ہے یہ

میکشوں کی دھوم ہے عارفؔ یہاں
مئے نہیں الطاف کا جو ہر ہے یہ

غزل

عمر بھر کیا پڑھا لکھا میں نے
اس کا دیدار کب کیا میں نے

ذات کا نور تھا یہ دم میرا
کب ہوا دم سے آشنا میں نے

کیوں نہیں ٹوٹتا طلسمِ وجود
یار کو خود ہی کھولیا میں نے

موت کیا ہے حیات کا چشمہ
رازِ توحید پالیا میں نے

موت عیسیٰ کو آ نہیں سکتی
خود کو زندہ اٹھا لیا میں نے

اس کو بے پردگی نہیں منظور
خود کو پردہ بنا لیا میں نے

تو مری ذات میں ہی زندہ ہے
نام میں تیرے جی اُٹھا میں نے

رحمتِ حق نواز کے صدقے
جانِ عارفؔ کو پالیا میں نے

غزل

نفس کی موت کیا ہے وصالِ خدا
یہ وصالِ خدا ہے جمالِ خدا

زندگی مرض ہے موت کیا ہے شفاء
اک جمالِ خدا اک جلالِ خدا

شکلِ نامِ خدا جب سے اختیار کی
قالَ قالِ خدا حالَ حالِ خدا

روبقبلہ ہے دل اس کے دربار میں
میں وہی ہوں نہیں اب خیالِ خدا

نفس سے چھوٹ کر جان زندہ ہوئی
زندگی کیا؟ یہی ہے وصالِ خدا

بے دلی کے قیام ورکوع اور سجود
نہ ہی خوفِ خدا، نا خیالِ خدا

دل پریشان دنیا میں حاضر ہوا
جسم مسجد میں محوِ خیالِ خدا

تیرے عارفؔ کو کافی ہے لقمہ حلال
بس حلالِ خدا بس حلالِ خدا

غزل

مَنْ عَرَفَ ہے نفس تیرا ھُو سے تیری جان ہے
رب صفت ہے، ذات ھُو ہے بس یہی پہچان ہے

لقمۂ انوار کھاتے ہیں سدا اہلِ حضور
یہ غذائے نور کیا ہے؟ عاشقوں کی جان ہے

دل کی آنکھیں یار پر ہیں سر کی آنکھیں نفس پر
بس یہی تصدیق ہے اور بس یہی پہچان ہے

دیکھ لے باطن کو ظاہر بند آنکھیں کھول کر
ہر طرف ہے اس کے جلوے آدمی انجان ہے

معرفت اور عشق حاصل کر اسی کے نور سے
رکھ نظر تو قلب پہ عارفؔ یہی ایمان ہے

غزل

گر دل نہیں رہا ترا حاضر نماز میں
رہتا ہے فقط نفس کا، کافر نماز میں

دنیا کا طلبگار ہے شیطاں سے متفق
لوگوں کو نظر آتا ہے اکثر نماز میں

زن کے مزاج والوں سے اللہ کی پناہ
دنیا کی دیوی دل میں ہے اور سر نماز میں

قارون تیرا نفس ہے، فرعون عقل ہے
دل مر چکا ہے تجھ کو پٹخ کر نماز میں

جو جان و مال قبضۂ قدرت میں دے چکا
ہوتا ہے وہ شریک برابر نماز میں

مردانِ خداوند ہیں بس دائم الصلوٰۃ
نامرد چنا کرتے ہیں پتھر نماز میں

عاشق کی نماز اور ہے ناقص کی نماز اور
عارفؔ تو پیش ہوتے ہیں بے سر نماز میں

غزل

خود پرستی علم شیطاں خواہشوں کا گھر ہے یہ
چھوڑ دے اپنی اَنا کو شرک سے بدتر ہے یہ

دل کی آنکھیں کھل گئی اب یار ہے دیدار ہے
یار کا دیدار بیتُ اللہ سے بہتر ہے یہ

تو نے پایا پیر کو اور پیر نے پایا نہیں
چھوڑ دے بس چھوڑ دے رہزن نما رہبر ہے یہ

بے ادب اللہ کے الطاف سے مہجور ہے
سنگ دل ہے آدمی کی شکل میں پتھر ہے یہ

راہ اور منزل سے واقف گر نہیں رہزن ہے وہ
آ ادھر آ پیر میرا رب کا پیغمبر ہے یہ

دل ہے لیکن دل نہیں دیدار کی جنت ہے یہ
آنکھ ہے تو دیکھ لے، یہ دل نہیں دلبر ہے یہ

دیکھ کر تجھ کو دِکھا دیتا ہے عارفؔ یار کو
قلب میرا رہنما باطن میں دیدہ ور ہے یہ

غزل

لُٹ گیا سارا ساماں عمل کچھ نہیں
وہ معمہ ہوں میں جس کا حل کچھ نہیں

قبر توحید کا پہلا زینہ بنی
کتنا خاموش ہوں اب خلل کچھ نہیں

موت ہے زندگی یار تک میں گیا
وقت بے وقت موقع محل کچھ نہیں

موت سے مر گیا تو ملا کیا تجھے
زندگی سے مَرا میں بدل کچھ نہیں

بات کہتا ہے عارفؔ پتے کی مگر
میں نے مانا کہ رنگِ غزل کچھ نہیں

غزل

آ میں تجھے بتا دوں جنت کا راز کیا ہے
توحید موت میں ہے توحید میں خدا ہے

آیا ہے تو جہاں سے وہ لامکاں ہے تیرا
لا سے تیری فنا ہے لا سے تیری بقا ہے

فرقت ہے زندگی میں اور وصل ہے قضا میں
عارف قضا میں اپنی جنت کو دیکھتا ہے

ظاہر اگر ہے زندہ باطن ہے تیرا مردہ
ظاہر کی موت میں ہی باطن کا آئینہ ہے

دنیا میں جان لے تو اس موت کی حقیقت
دشمن یہ زندگی ہے کیوں اس میں جی رہا ہے

دیکھے نہ تو کسی کو نہ کوئی تجھ کو دیکھے
چل تو خدا میں عارفؔ سب کچھ ترا خدا ہے

غزل

رُخ سے ذرا نقاب تو سرکایئے گا آپ
شہ رگ سے نکل کر تو ذرا آیئے گا آپ

میں دیکھوں نفختُ سے ذرا ان کا سراپا
پھر مجھ کو دیکھو مجھ میں خدا پایئے گا آپ

محبوب کو محبّ کے سوا جانتا ہے کون
یہ راز ہے یٰسین میں کیا جانیئے گا آپ

منْ رانی کی تجلی کو جو برداشت کر سکے
پہلے وہ دل جگر و نظر لایئے گا آپ

تحتِ قبائی کیا ہے قباء کیا ہے جانیئے
سرِ اَنــــا کو سر میں کہاں پایئے گا آپ

گر غیب کو غائب کیا گمراہ ہوگیا
یہ علم نہیں نکتہ ہے، سمجھایئے گا آپ

ان کے کرم کی گر نہ رفاقت نصیب ہو
کیا خاک عبادت کا صلہ پایئے گا آپ

عارفؔ کی چشمِ قلب پہ قربان جایئے
وہ آ رہا ہے نور میں ڈھل جایئے گا آپ

غزل

یہ مری قبر نہیں گوشۂ تنہائی ہے
آج خلوت ترے جلووں کی قسم کھائی ہے

میری تقدیر پہ جبرئیل بھی نازاں ہوگا
کلمہ پہنا ہوں مجھے چین کی نیند آئی ہے

ذکر مذکور سے فارغ کیا مرشد نے مجھے
حسن ہے، عشق ہے، اب وصل ہے، تنہائی ہے

حرص و شہوت کو فنا کر کے تو انساں ہوجا
روح میں دیکھ ترا کون تماشائی ہے

یار کے نام کی عظمت کی گرانی مت پوچھ
میں وہی ہوں یہ امانت مرے سر آئی ہے

پیر کا عشق ہی عارفؔ ترا رہبر ہوگا
نفس کی موت میں اعجازِ مسیحائی ہے

غزل

رشتۂ ازل ٹوٹے نہ کہیں مخلوق سے دل گھبراتا ہے
میں نام سے تیرے آیا ہوں ترا نام ہی میرا داتا ہے

جو خود سے یہاں گم ہوتا ہے وہ تجھ میں اُبھر کر آتا ہے
جو نام میں تیرے غرق ہوا توحید کی صورت پاتا ہے

دیدار کی دولت پانے کو ہر سانس میں عاشق مرتے ہیں
زاہد کا زہد جنت کا نشہ حوروں پہ بہت اتراتا ہے

یہ فقر عطاء ہے فقر غنیٰ رحمت کی نظر سے ملتا ہے
مرشد کے کرم سے بحرِ لقاء طالب کو میسر آتا ہے

چھ قبلے لیکن پانچ نمازیں، پانچ دنوں کی بات ہے یہ
لاہوت سے گذرا لاہوتی بس لا کے مکاں میں جاتا ہے

میں روح قوی آزاد مگر تم چاہو جہاں میں آؤں گا
میں اس میں ہوں وہ مجھ میں ہے میں جاتا ہوں وہ آتا ہے

عارفؔ میں غریقِ وحدت ہوں وحدت میں اماں پایا میں نے
میں اس میں فنا وہ مجھ میں بقا یہ راز کوئی کب پاتا ہے

غزل

نور ہی نور ہے توحید میں صورت میری
ایک سے ایک ہوں میں ایک ہی چاہت میری

کون سمجھا ہے مجھے کس نے مجھے دیکھا ہے
قلب کی شکل میں زندہ ہے حقیقت میری

دل تو دیدار سے بیدار ہوا ہے میرا
میں ہوں انسان یہی تو ہے شرافت میری

کبھی آدم، کبھی حوا، کبھی احمد، و، احد
ذات میں ذات حقیقت میں حقیقت میری

آگ سے آب سے مٹی نہ ہوا سے ہے وہ
گنجِ مخفی میں ہے پوشیدہ امانت میری

جو تصور تیری صورت میں نمودار ہوا
وہی عارفؔ کی حقیقت ہے طریقت میری

غزل

آمد و رفت میں مصروف ہے انسان ابھی
دین بے جسم ہے بے جان ہے ایمان ابھی

آدمی ہو کے بھی ہر قید سے آزاد ہیں ہم
صرف پابند مشیت ہے تو شیطان ابھی

مفلسِ دین پہ موت آئی ہے ناداری میں
آگ بننے کو ہے جوڑا ہوا سامان ابھی

خود کو فانی جو تصور کیا وہ خود کا خدا
خود سے کیا پائے گا تو خود ہے پریشان ابھی

وقت کی قید میں آتا ہے کہاں یار مرا
ذکرِ اوقات میں ذاکر ہے پریشان ابھی

آج دیدارِ رُخِ یار میں مصروف ہے تو
آج باقی نہیں عارفؔ تیرے ارمان ابھی

غزل

انسان بن گیا ہوں جب سے پڑھا ہے کلمہ
میری خبر ہے کلمہ رب کا پتہ ہے کلمہ

دونوں جہاں مقید کلمہ کے نور میں ہیں
تن بن گیا ہے کلمہ من بن گیا ہے کلمہ

طوطے کبھی کلمہ کی حقیقت نہیں سمجھے
اسرار و معرفت کا اک آئینہ ہے کلمہ

پوشیدہ خزانوں پہ نظر اس کی رہے گی
تصدیق و تحقیق سے جس نے پڑھا ہے کلمہ

اس کے متاعِ فقر کی عظمت نہ پوچھئے
منصور کا یہ حق ہے کہ سرِّ انا ہے کلمہ

ہر دم نبی کے ساتھ ہوں میں بے نیاز ہوں
بزمِ نبی میں آج مرا پیشواء ہے کلمہ

عارفؔ کے ساتھ ہوگا مہد سے لحد تلک
کس طرح مری ہستی کو گھیرا ہوا ہے کلمہ

غزل

عشق ہے ان کا تصور ہے سلامت ہے دل
گر نہیں دل میں محبت تو مصیبت ہے دل

ایک ہی دم میں چلا جاتا ہے یہ رب کے حضور
میں نے مانا کہ یہ قادر نہیں قدرت ہے دل

دل جسے کہتے ہیں تقلید سے آزاد ہے وہ
خود ہی یہ دین ہے اور دین کی فطرت ہے دل

متقی دل سے بڑا کس نے یہاں دیکھا ہے
جسم کی شرع میں ایماں کی حقیقت ہے دل

جس نے دیکھا ہی نہیں دل میں خدا کا جلوہ
ایسے اندھے کی بصارت پہ مصیبت ہے دل

یار عارفؔ تُو سدا دل کی حفاظت کرنا
دیکھ یہ دل ہی نہیں بارِ امانت ہے دل

غزل

علم میں گر نفس شامل ہے تو کیا ہے قیل وقال
لاف زن کی بڑ ہے یہ، بڑبولے پن میں بے مثال

علم کو معلوم کے انوار گر حاصل نہیں
علم علمِ نفس ہے وہ علم ہے شیطاں کا جال

علمِ عالم جہل گر ہے بوجہل کے سر کا تاج
علم ہے منصور جیسے بادشاہوں کا جلال

پڑھ کے پایا کچھ نہیں تونے ہدایہ اور کشاف
عشق گر حاصل نہیں تو علم ہے خواب و خیال

آ بتادوں تجھ کو میں مخدومیت کا راز کیا
حاصلِ خدمت ہے یہ، خدمت سے ہے قرب ووصال

علم کیا ہے دین ہے، دیں بیچ مت اۓ دیں فروش
علم سے معراج ہے اور علم اَوْ اَدْنٰی کا حال

علم کو بس سیکھ عارفؔ تو خدا کے علم سے
علم سے ہے عشق اس کا، علم ہے اس کا جمال

غزل

رب تو تیرے نفس میں ہے درمیاں تُو آ گیا
خود ہے پردہ خود ہے اندھا اور کہاں تو آ گیا

یار کے اذکار سے تو قلب کو بیدار رکھ
یاد کر وعدہ ازل کا کیوں یہاں تُو آ گیا

پیر کے صدقے میں پائی ہے صراطِ مستقیم
دو قدم ہی میں چلا تھا جانِ جاں تو آ گیا

کیا ترے وعظ وبیاں میں اب وہ لذت نہ رہی
میکدے میں کس لئے واعظ میاں تُو آ گیا

مئے نہیں عارفؔ تو میرا یار میرے ساتھ ہے
قبر میں تنہا تھا میں پیر مغاں تو آ گیا

غزل

بے حیا کا علم کیا مشہور ہے رشوت طلب
اس کی دنیا اس کی جنت اس کی دولت اس کا رب

علم میں شامل ریا گر ہے تو وہ نفاق ہے
سیکھ مت شیطاں بنا دیتا ہے علمِ بے ادب

چھوڑ کر محبوب کو اغیار کا طالب ہے تو
جس کی خاطر تو بنا اس کی نہیں تجھ کو طلب

میں نے چاہا اس نے چاہا میں مقرب ہو گیا
لامکاں میں ایک ہوتے ہیں مسبب اور سبب

دیکھئے کوشش میری اس کی کشش میں ڈھل گئی
جس کو چاہا اپنی جانب کھینچتا ہے میرا رب

عشق کے کرب و بلا کا امتحاں دُشوار ہے
کام آتے ہی نہیں اس راہ میں حسب و نسب

حالِ عارفؔ کی خبر شمس و قمر دیتے نہیں
کھینچ کر خاکہ نجومی گن چکا راس وذنَب

غزل

جستجوئے معرفت میں چین کیا آرام کیا
تو فلاں ابن فلاں تو کیا ہے تیرا نام کیا

چار ہی حالات میرے چار ہی عنصر مِرے
میں گذر کر جاؤں گا آغاز کیا انجام کیا

منزلیں ناقص ہیں، تیرا مرتبہ کیا مرتبہ
خاک ہے تو خاک کا پیغام کیا الہام کیا

ذاتِ روح امر ربی سے نہیں دیکھا اگر
پیر کا فیضان کیا ہے پیر کا اکرام کیا

پیشوا میرا بنا ہے جب سے اسم اللہ ذات
میں نے جانا عبد کیا آغاز کیا انجام کیا

خود کو کھو کر تجھ کو پانا جان میں ممکن ہوا
حق پہ ہوں میں حق سے ہوں، دنیا سے مجھ کو کام کیا

محفل ہستی سے میں فارغ ہوا عارفؔ بنا
میں نہیں ہوں میں وہی ہوں نام کیا دُشنام کیا

غزل

یار نے مجھ کو دیکھا نہ دیکھا کوئی
کون ہوں میں کہاں ہوں نہ جانا کوئی

چھوڑ سمتوں کو دیدار سے کام رکھ
بے مقید کو کب گھیر پایا کوئی

خوابِ جنت میں جینا نہیں ہے مجھے
کون ہے خلد میں اس کے جیسا کوئی

اک ساعت کی قربت مجھے چاہیے
تیری فرقت میں کیسے جیئے گا کوئی

جان جائے تو جانے دے دیدار میں
بیتا لمحہ دوبارہ نہ پایا کوئی!!

علم کن کیا؟ سخن کیا شریعت ہے کیا
تارکِ شرع حق تک نہ پہنچا کوئی!!

مرشدِ تارکِ شرع خناس ہے
اس کے جیسا نہیں دیکھا خطرہ کوئی

ھُوبھُو پیر ہو ھُوبھُو ہو مُرید
میں نے عارفؔ کے جیسا نہ دیکھا کوئی

غزل

اپنی پیری پہلے ثابت کر کے دعویٰ کیجئے
پھر مریدوں کو بلا کر خوب چندہ کیجئے

بے شریعت بے طریقت پیر کا کیا کیجئے
یہ فقیری ہے نہ پیری بس تماشہ کیجئے

میں نے دیکھا ہے مرے اسلام میں طوطوں کا دیں
اے غریبو! رٹ پٹوں کا بول بالا کیجئے

رات کے پہلو سے غائب کر دو سب جلتے چراغ
بزم ہے اندھوں کی جگنوں سے اُجالا کیجئے

خرقہ پوشی سوگ ہے یہ سوگ کا سنجوگ ہے
کیا ہوا اجداد کی نسبت کا چرچہ کیجئے

چلئے عارفؔ قبر گر دارالامن ہے ٹھیک ہے
منہ چھپا کر حشر تک ہونے پہ رویا کیجئے

غزل

تری صورت پہن لوں میں مجھے اپنی قباء دیدے
رگِ جاں میں اتر کر مرنے والوں کی ادا دیدے

ترے دیدار کے لائق عبادت تو نہیں میری
میں دیوانہ ہوں کہ مجھ کو بس کرم کا راستہ دیدے

کرم کر مجھ کو اپنے فضل سے کلمہ عطا کردے
زباں کو دل بنادے دل کو عشقِ مصطفیٰ دیدے

مجھے انساں بنایا پیر نے صورت کی تلقیں سے
مرے چہرے کو وجۂ اللہ کا تو آئینہ دیدے

تجھے دیکھے کوئی مخلوق یہ ممکن نہیں لیکن
مجھے اپنی نظر اپنا نظارہ ائے خدا دیدے

کلیم طور شاہد ہے محبت کی سزاؤں کا
محبت کرنے والوں کو مرے غم کا پتہ دیدے

اگر توحید پہ مائل نہیں ہے دل ترا عارفؔ
اسے منصور کی سولی کا تھوڑا آسرا دیدے

غزل

بے عمل گر عالم و فاضل بنا تو کیا کیا
اپنے ظالم نفس کی توحید کا دعویٰ کیا

علم ہے تعلیمِ وحدت علم ہے دل کی ضیاء
علم ہی انسان میں انسانیت پیدا کیا

علم ہے عیسیٰ وموسیٰ کی نبوت کی دلیل
عشق کو امّ الکتاب و علم کو کلمہ کیا

علم شمشیر خدا ہے برق ہے باطل پہ یہ
علم سے محبوب اور محبوبیت پیدا کیا

علم ہے راہِ طریقت اور تصور پیر کا
دل ہے عالم علم کا اور نفس نے حیلہ کیا

قربِ حق ہے جس کو حاصل بس وہی عالم ہوا
بس وہی عارفؔ ہوا جو نفس کو رسواء کیا

غزل

قلب کی تصدیق سے کلمہ پڑھایا پیر نے
کلمۂ طیب سے میرا دل بنایا پیر نے

دل جسے کہتے ہیں کوئی گوشت کا ٹکڑا نہیں
دونوں عالَم کو میرے دل میں بسایا پیر نے

ہم بھی عالم بن گئے ہیں ہم سے پوچھو لام میم
بس الف اللہ کا پڑھ کر پڑھایا پیر نے

راز عبد و رب کا میں نے پیر سے حاصل کیا
خاک تھا میں عرش سے اونچا اٹھایا پیر نے

لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کس لئے چھوڑا جہاں
کر کے فانی سے جدا باقی میں لایا پیر نے

جان تھی جس کی ہمارے پاس اس کو دیدیا
اک نیا انداز مرنے کا سکھایا پیر نے

روٹھ کر ہم بھی فریبی زندگی سے کیا گئے
سو چکے تھے موت میں عارفؔ جگایا پیر نے

غزل

چل ازل اور ابد کا نظارہ کریں
راز دن رات کا آشکارہ کریں

کتنی عبرت گذرتے نظاروں میں ہے
دیکھ کر دل کو دلبر پہ وارہ کریں

آتشِ عشق تن من میں جلنے لگی
حسن سے دور کیسے گذارہ کریں

مجھ کو دنیا و عقبیٰ کا غم بھی نہیں
آپ اپنی طرف بس اشارہ کریں

کالی زُلفوں کو رُخ سے ہٹادے ذرا
تیرے مشتاق تیرا نظارہ کریں

ایک ہی دوست پر جیتے مرتے ہیں ہم
جیتے جی جگ سے کیوں نہ کنارہ کریں

ہم تو کرتے ہیں دل کی لگی کی قدر
چل ائے عارفؔ دلوں کو سنوارا کریں

غزل

سرخ آنکھیں زرد چہرہ دل جلا ہوں دیکھ لے
ہجر میں سو بار مر کر جی رہا ہوں دیکھ لے

عشق میرے حال سے ظاہر ہوا تو کیا کروں
میں ہی میرے ہونے کا شکوہ گلہ ہوں دیکھ لے

یہ مشیت ہے تری میں لامکاں سے آ گیا
میں مکاں میں بے مکاں بے آسرا ہوں دیکھ لے

ڈوب کر تیری تجلی میں فنا ہوجاؤں گا
اپنی ہستی سے نکل کر آ رہا ہوں دیکھ لے

قرب کیا ہے وصل کیا ہے کچھ نہیں منزل مقام
تو اَنا ہے اور میں سّرِ انا ہوں دیکھ لے

لامکاں میں تو ہے جیسا آج بھی ویسا ہی ہے
چھوڑ کر میں لامکاں انساں بنا ہوں دیکھ لے

لکھ چکا عارفؔ ترا رازِ ازل، راز الست
سامنے آ، ورنہ کیا کیا لکھ رہا ہوں دیکھ لے

غزل

صدا دل سے آتی ہے قالُوا بلیٰ کی
فرشتوں میں عزت ہے میری وفا کی

وطن کی محبت ہے ایمان میرا
وطن کی محبت ہے قدرت خدا کی

تو قرآں کا حافظ و قاری بنا ہے
میں صورت بنا اسمِ ذاتِ خدا کی

اے قزاق دنیا کے قزاق طالب
اتاری ہے کیوں تو نے چادر حیا کی

اسیر ہوس نے کتابیں پڑھی ہے
اسے کیا ضرورت ہے اب رہنما کی

جو ہے دُزدِ باطن وہی نفس تیرا
اٹھا اب تو شمشیر شیرِ خدا کی

اۓ عارفؔ تو سجدے میں کیا سوچتا ہے
عبادت کی تاثیر تو نے فنا کی

غزل

دین میرا مرے محبوب سجن جیسا ہے
میرا ایماں تری خوشبو کے بدن جیسا ہے

وہ تجھے عشق کی تاثیر میں آتا ہے نظر
وہ میری روح میں نوخیز چمن جیسا ہے

تیرے چہرے میں میں قرآن پڑھا کرتا ہوں
ذکر ہی تیرا مرے من میں چمن جیسا ہے

اور کیا پیر کو تن من میں بسایا تو نے
تیرا کلمہ تو میرے پیر کے تن جیسا ہے

کعبۂ دل میں ادا ہوتی ہے عارفؔ کی نماز
دلِ انسان تو جنت کے صحن جیسا ہے

غزل

خلوت کدۂ حق ہے مرا تن مجھی میں دیکھ
میں ہوں کہاں بتا دے مری زندگی میں دیکھ

آبِ حیات کوثر و تسنیم مجھ میں ہے
گر دیکھنا ہے مجھ کو خضر تشنگی میں دیکھ

لے کر چراغِ عشق ذرا ڈھونڈنا اسے
دل کا اثاثہ گم ہے تری بے خودی میں دیکھ

دنیا سے دور میری امارت کا ملک ہے
اورنگِ سلیماں کو مری مفلسی میں دیکھ

ناداں تونگری میں خدا سے جدا ہوا
وہ خود دکھائی دے گا مری بے بسی میں دیکھ

خود سے فنا ہوا ہوں تو عارفؔ بنا ہوں میں
لیلیٰ کا حسن قیس کی دیوانگی میں دیکھ

غزل

زینت ہے جلسہ گاہ کی ٹکسالی عبادت
بکتی ہے دیں کے نام پہ فضلاء کی فضیلت

واللہ کیسا دور ہے جائے کہاں فقیر
گھس آئی ہے اسلام میں مغرب کی سیاست

جو دور کرے حق سے وہ نمرود کا مذہب
دنیائے نجس کیا ہے کہ حائضہ کی نجاست

حاصل نہ ہوگا کچھ بھی اگر دل ہے بے حضور
بس عشقِ مصطفیٰ میں ہے معراجِ عبادت

گر قلب ہی نجس ہے عبادت فضول ہے
انساں پہ ازلی فرض ہے بس دل کی طہارت

ممکن نہیں دیدار خدا موت کے بغیر
یہ دید ہے پنجوقتہ نمازوں کی کرامت

عارفؔ کے دل سے دور نہیں کعبۂ اقدس
کیا روح سے پوشیدہ ہے دیدار کی جنت

غزل

قیدی بنا کے عرش سے لایا گیا ہوں میں
میرے وطن دور سے بسایا گیا ہوں میں

خاصائے خداوند ہے دین اور ہدایت
دنیا کے بت کدے میں بلایا گیا ہوں میں

میں عالمِ دیدار ہوں دل سے پڑھا ہوں میں
دل سے نہیں پڑھا ہوں پڑھایا گیا ہوں میں

میں مٹ چکا ہوں، برزخِ اسمِ خدا میں ہوں
اپنی قضاء میں آپ جلایا گیا ہوں میں

میں کل تھا اک فقیر مگر آج فقر ہوں
ذرّہ تھا آفتاب بنایا گیا ہوں میں

اللہ کا عرفان تو رازوں کا راز ہے
اک راز کی صورت میں چھپایا گیا ہوں میں

بیداری عبادت ہے مری نیند ہے دیدار
عارفؔ ہوں فرشتوں سے بڑھایا گیا ہوں

غزل

اب پیرِ خود فروش کا قصہ نہ پوچھئے
پیری مریدی بن گئی سودا نہ پوچھئے

اب تو مرید پیر کو لیتا ہے خود خرید
پھر بھی غلام پیر کا دعویٰ نہ پوچھئے

پوچھا شرع کا مسئلہ تو مفتی نے یہ کہا
گر زر نہیں تو کوئی بھی فتویٰ نہ پوچھئے

آ ؤ سکھادوں نفس کشی کا ہنر تمہیں
لیکن فنا میں کیا ہے یہ نکتہ نہ پوچھئے

اہلِ نظر کے نور سے بنتے ہیں دل یہاں
دل جس کو تم نے سمجھا ہے وہ کیا؟ نہ پوچھئے

ہے نفس بت پرست کا پہچاننا مشکل
حاصل ہے کسے دیدۂ بینا نہ پوچھئے

عارفؔ تو ذکرِ یار میں آباد ہوگیا
بربادئی غفلت کا تماشا نہ پوچھئے

غزل

اۓ اسم ذاتِ حق تری تاثیر تصور
ہے تزکیۂ نفس سے واقف دل ونظر

پھر اس کے بعد تصفیہ دل کا کمال ہے
جاں کی تجلی کیا ہے تری ذات کا ہنر

خواہش کو جس نے اپنا خدا مان لیا ہے
شداد کی جنت میں ہے فرعون کا ساحر

شیطان ونفس جان کے دشمن ہیں دیکھ لے
اللہ کی توفیق سے ملتی ہے یہ نظر

گر تو خلافِ نفس ہے رکھنا نظر سدا
قبر و عذابِ حشر حساب و کتاب پر

تفسیر ہے تاثیر سے خالی تو کیا پڑھا
اۓ عالمِ جنون کبھی علم سے گذر

کب علمِ فقر آئے گا رسوائے نفس کو
عارف نگاہِ پیر سے پیتا ہے دیدہ ور

غزل

علمِ ظاہر شِیر ہے اور علمِ باطن جیسے گھی
غیر ممکن ہے جدا ہوں ظاہر و باطن کبھی

بس نفی اثبات ممکن ہے تو اسمِ ذات سے
ورنہ ساری عمر کی بیکار ہے ہر بندگی

سیم و زر کو گر پرکھنا ہے تو رکھو آگ پر
عشق گر ہے موت تو اس موت میں ہے زندگی

دولتِ دنیا ہے کیا؟ فرعون کی جاگیر ہے
قلب موسیٰ اور قالب ہے طلسم سامری

پیر کامل تو حضور قلب سے حاضر ہوا
پیرِ ناقص کی عبادت قلب سے آزاد تھی

مجلسِ عشقِ محمد کا یہی تو راز ہے
عشق کی معراج کیا ہے؟ بس یہ دل کی زندگی

میں نے دیکھا ہے وجودِ فقر میں توحید و نور
تم کو عارفؔ ہو مبارک زندگانی فقر کی

غزل

فنا فی اللہ اسم اللہ میں جا کر ہوا ہوگا
کبھی منصور بن کر دیکھ لینا فیصلہ ہوگا

وجودِ خاک میں عرفانِ حق کی شمع روشن ہے
اگر اندھے نے دیکھا ہے اندھیرا ہی رہا ہوگا

یہاں آ بحرِ معرفت میں گر غوطہ لگانا ہے
یہاں آ گر ازل سے تا ابد کچھ دیکھنا ہوگا

عطائے پیر ہی توفیقِ حق کی شرط اوّل ہے
اگر تو پیر کا جاسوس ہے خود کا خدا ہوگا

ہماری گفتگو ہے موتیوں کے ہار کی مانند
قدر تو پیر کی جانے وہی جو جانتا ہوگا

اگر نا آشنائے راہِ باطن ہے تو جاہل ہے
ریاضت اور عبادت سے تو حاصل کیا کیا ہوگا

اےئ عارفؔ ذکر و فکر و غرق میں ہے راستہ تیرا
تجھے کیا خوف کلمہ ہی اگر رہبر بنا ہوگا

غزل

صاحبِ کُن کے لئے کیا ابتداء کیا انتہاء
کیوں نہیں سالک غریقِ ذاتِ اسمِ ھُو ہوا

کُن ہوا وہ جو سخن کی خلد سے آزاد تھا
ایک دم میں اک قدم پر ہے ترا میرا خدا

کیوں ہوا تو خوار آخر بھول کر عہدِ الست
وعدۂ دیدارِ حق تیرے لئے مخصوص تھا

علمِ ظاہر کچھ نہیں ہے بس ولایت کا گواہ
علمِ باطن ہے حقیقت میں خدا کا راستہ

علمِ باطن ہی حقیقت میں ہے علمِ لازوال
تھوڑی قیمت کے لئے جو بک گیا وہ علم کیا

جو کنہ کُن سے نہیں پڑھتا خدا کے نام کو
گر گیا وہ مرتبہ سے خلق کا محتاج تھا

ایک لفظِ کُن سے جو واقف نہیں عارف یہاں
حال و ماضی اور مستقبل سے وہ غافل رہا

غزل

خدا کا علم خدا ہے خدا سے پڑھنا علوم!
تمام عمر گنوا کر تو پایا علمِ رسوم!

وہ علم سیکھ جو دونوں جہاں کا رہبر ہے
وہ علم کیا ہے؟ کہ بس نکتۂ حی القیوم

عین سے عشق کا عالم حقیقی ہوتا ہے
غین سے غیر کا عالم ہے عین سے محروم

انبیاء اصفیاء غوث وقطب کی محفل میں
وسوسہ والی عبادت ہے نہایت مذموم

فنا، بقا و جمعیت جمعِ کمال و وصال
بغیر شیخ، مراتب یہ تجھے کیا معلوم

بغیر عارفِ حق وسوسہ نہیں جاتا
کہیں پہ خود ہے تو خناس اور کہیں خرطوم

غزل

تسبیح کے ماہر نے ولی خود کو کہا ہے
دیکھیں تو ذرا اس کا خدا کون بنا ہے

تسبیح میں سو طرح کے اذکار گن چکا
دانہ تو ترے دل کا گھما ہے نہ پھرا ہے

گذرا ہے پیر وقت ترا ذکرِ خدا میں
دولت پہ تو فرعون کی مانند فدا ہے

سب کچھ ہے ترے دل میں مگر نام حق نہیں
اب سوچ ترے دل کا خدا کون بنا ہے

تیرا خدا تولا ہے اللہ تو نہیں ہے
افسوس کہ نمرود کو جنت کا نشہ ہے

غزل

اللہ کا دیدار ہی آبِ حیات ہے
وہ لامکان ہے کہ جہاں دن نہ رات ہے

''نہ اور ہاں'' میں راز یہ مضمر ہے دوستو
تم ڈھونڈتے ہو جس کو وہی میرے ساتھ ہے

رہنے دو میرے دل میں چبھا عشق کا کانٹا
واللہ یہی درد مری کائنات ہے

دنیا و اہل دنیا تو ملعون ہو چکے
اک میں ہوں ایک تو ہے، کرم ہے نجات ہے

میں اور خطا کار بنوں میری کیا مجال
شہ رگ سے بھی قریب خدا تیری ذات ہے

راہِ خدا میں جان دیا بھی تو کیا دیا
عارفؔ ہماری جان تو اک کُن کی بات ہے

غزل

وہ ذات جامِ جہاں نما ہے
ہر ایک شئی مظہرِ خدا ہے

یہاں میں نسخہ ہوں نام حق کا
وہاں مرا مرتبہ جدا ہے

یہاں تو گنجِ طلسم ہوں میں
وہاں مری ذات کیمیاء ہے

فناء سے گذرا ہوں ذات ہوں میں
وہی ہے جو مجھ پہ کُن کہا ہے

تری ہی ہم معنیٰ جان میری
مجھے تو تحریر کرچکا ہے

وجوب ہے میری جان میں تو
تو ہی تو عارف کا آسرا ہے

غزل

یہ جام وساقی اور ہے میرا نشہ ہی اور ہے
تیراخدا تیری انا میرا خدا ہی اور ہے

تیری تقریریں مری تشریح کرسکتی نہیں
تیری شہادت اور ہے میری گواہی اور ہے

دیکھ لے قرآن شاہد ہے ہماری ذات پر
ذات ہی ہم ذات ہے سرِّ انا ہی اور ہے

بشریت یہ جسم ہے اور ذات مسجودِ ملک
آئینے پر رکھ نظر رمزِ الٰہی اور ہے

وہ بھی حق ہے میں بھی حق لیکن مکلّف کون ہے
حل نہیں ہوتا یہ عقدہ راستہ ہی اور ہے

وہ مقدس ذات منصف ہے ہر اک شئی کیلئے
چھوڑدے خود کو خدا پر فیصلہ ہی اور ہے

شغل کا تقدیر پر ہرگز نہیں ہوتا اثر
نفسِ عارف سے نہیں ہے یہ گلہ ہی اور ہے

غزل

ہم نے دیکھا خود کے اندر کعبۂ حسن و جمال
آگیا دل میں ہمارے پھر امانت کا خیال

ہر سعی طواف میں کامل ہوئی میری نماز
جسم ہے میرا زوالی ذات میری لا زوال

مثل عیسیٰ اور موسیٰ بن گیا عبدالرسول
احمد مرسل کی امت کو ہے حاصل یہ کمال

میں نے دیکھا ہے ملاء اعلیٰ کو آدم کے ساتھ
ہے فرشتوں سے بھی پوشیدہ ابھی تک میرا حال

کام آتے ہیں کہاں اس راہ میں فخر و غرور
ترک کرکے چادرِ نخوت کو پانا ہے وصال

دیکھ کر میں شکلِ آدم سر خمیدہ ہوگیا
بس اسی تعظیم سے دل بن گیا ہے باکمال

ہائے عارفؔ کیوں فرشتے مجھ سے برہم تھے کبھی
مجھ کو کیوں الزام دیتے جانتے گر میرا حال

غزل

میں فرشتوں کی خطا پر آج تک حیران ہوں
جو امانت کو اٹھایا میں وہی انسان ہوں

ظلمتِ خاکی میں باطن ہے صفات حق کا نور
نور میں بس حق ہی حق ہے اور میں پہچان ہوں

ہے مقام مجلس محمود تک میرا وجود
جسم ہے یہ نفس میرا میں نہیں میں جان ہوں

میں کئی اضداد کا اِک مجموعہ تو ہوں مگر
ذات کو دیکھو مری بے گھر ہوں بے سامان ہوں

داہنے کو چھوڑکر بائیں کو دیکھا کس لئے
اے فرشتو نور ہوں میں نور کا ارمان ہوں

ایک میں، مجھ میں نہاں ہے دیکھ اسماء اور صفات
میں ہی میں میری حقیقت میں ہی میں انجان ہوں

دیکھتا ہے کس لئے عارفؔ کو اے ابلیس تو
تو نے جس کو ورغلایا میں اسی کی شان ہوں

غزل

لباس خاک میں آیا ہوں مسجودِ فرشتہ ہوں
میں تصویرِ محمد ہوں میں قدرت کا کرشمہ ہوں

میں یونس شیث ہوں ادریس ہوں میں اور موسیٰ ہوں
بشکلِ صبر تھا یعقوب میں یوسف میں آیا ہوں

خلیل و صالح اسحاق اور الیاس میں میں تھا
نبی داوٗد کے نغمات میں پوشیدہ عیسیٰ ہوں

ہے میری میکشی کا راز نقدِ وقت میں غائب
مجھے تو دیکھ لے اے کور چشمی کون ہوں کیا ہوں

نہیں سمجھا کوئی دل کو یہ غواصوں کا دریا ہے
بدن کو چھوڑ کر دیکھو مجھے میں رب کا نقشہ ہوں

زمیں پر شکلِ انساں میں نزولِ کبریائی ہے
مجھے مت پوچھ عارفؔ کون ہوں میں کیا ہوں کیسا ہوں

غزل

ایک راز ہوں دُنیا پہ مگر فاش ہوا ہوں
عوام نے سمجھا ہی نہیں کون ہوں کیا ہوں

بس قلبِ مستقیم پہ ہوتی ہے تجلی
مانا کہ میں موسیٰ نہیں موسیٰ کی دعا ہوں

ہوتی ہے نیستی سے ہی پیدا یہ راہِ ہست
میں خود ہی نیستی میں عبادت کا صلہ ہوں

تقریر میں الفاظ کا اسراف ہے گناہ
نادان مجھ کو دیکھ میں معنیٰ میں چھپا ہوں

دنیا ہے گماں اور مری ذات یقیں ہے
میں ذات کے سوا کو فنا دیکھ رہا ہوں

سارے تعینات اگر اعتبار ہیں
لیکن تعینات کی میں جان بنا ہوں

ہے ہست نما نیست یہاں اعتباری امر
تسبیح میں اِک نام پرونے پہ لگا ہوں

ممکن نہیں اعداد میں وہ نام سمائے
عارفؔ ہوں میں، دیوانہ ہوں بس ایک گِنا ہوں

غزل

کوئی معنیٰ نہیں ہے عکس و امر اعتباری کا
مگر اک دل ہے میرے پاس پتلا بے قراری کا

جہاں بھی بے حقیقت ہے یہ ہستی بھی مجازی ہے
یہ انساں کیا ہے دنیا میں تماشہ دنیاداری کا

میں آتا ہوں کہ جاتا ہوں سمجھ میں کچھ نہیں آتا
بہت آگے گئے ہیں منتظر ہوں اپنی باری کا

خیالی زندگی پائی ہے ہستی کے سرابوں میں
نہ جانے کب بھرم کھل جائے گا پرہیزگاری کا

یہ دل دریا ہے یا دریا ہی دل ہے کچھ نہیں معلوم
نہیں معلوم میری خاک کو انجام یاری کا

ذرا دیکھو تو قرعہ فال کا نکلا ہے میرے نام
جنوں جبرئیل سے آگے چلا ہے انکساری کا

یہ مانا میں نے جہل وظلم میرا نور کی ضد ہے
مگر عارف میں مظہر ہوں جہاں میں ذاتِ باری کا

غزل

مکدر آئینہ کی پشت کیا ہے
اسی میں جسم و دل کا آئینہ ہے

شعاعِ شمس سے ہے خاک روشن
جہاں اس خاک سے روشن ہوا ہے

خدا اول ہے معبودِ ملائک
کہ مسجودِ ملائک دوسرا ہے

جہاں یہ جسم ہے تو جان ہے تُو
قریبِ شاہ رگ تیرا پتہ ہے

یہ مانا عقل وجاں سرمایہ تیرا
تصرف کا ذرا سا حق دیا ہے

کہاں تشریح انساں ہوسکے گی
فرشتوں میں مرا چرچہ رہا ہے

ہے تیری ذات کی تشریح اسماء
اِن اسماء کا مگر انساں پتہ ہے

ارادہ علم اور قدرت کا اظہار
ائے عارف بس وہی انساں نما ہے

غزل

خاک پھر اِکسیر پھر یہ دل گیا
کفر کش عاشق بنا کامل گیا

دل کو دینا دلبری کا راز تھا
دلبری میں جان کا حاصل گیا

تند خو کی بزم سے بچنا بہت
پھر نہ کہنا ہائے میرا دل گیا

جبہ و دستار رسمی رہ گئے
کل جو خرقہ پوش تھا کامل گیا

عشق کے مذہب میں دوئی کفر ہے
کفر میں کشتی گئی ساحل گیا

شمس کی بینائی عارفؔ میں نہیں
سرمدی نغمات کا حاصل گیا

غزل

سماعت میں بصارت میں ہے تیری جلوہ آرائی
ہر اِک لمحہ حیات و موت کا ہے تیری گویائی

تو ہی اول ہے تو ہی عین آخر ہے ہر اِک شئی میں
تو ہی ظاہر تو ہی باطن، ہر اِک شئی تیری شیدائی

گمانِ روز و شب میں تو ہی پوشیدہ نظر آیا
مری صورت کے معنیٰ میں تری صورت نظر آئی

موجد تو تری ایجاد میں خود واسطہ ہے تو
عجب ہے خلق و خلقت میں تماشہ اور تماشائی

ترے جیسا ترا محبوب ہے اور لامکانی ہے
ترا محبوب ہے تجھ پر فدا تو اس کا شیدائی

وہی تو امرِ کُــــنْ کا راز اور علت کا منشاء ہے
وہی ہے جس کے زلفوں کی قسم قرآن نے کھائی

ترا محبوب سرِّ جز و کل ہے عارفؔ انوار
وہی ہے روحِ اعظم عقل کُل ہے تیری پرچھائی

غزل

اَنــــا کا قفل سینے پر پڑا ہے
یہاں ابلیس پہرے پر کھڑا ہے

حقیقت میں متعین تجھ کو دیکھا
عبادت ہوں میں تو معنٰی بنا ہے

من و تو عارضِ ذاتِ وجود
تو جیسا تھا تو ویسا ہی خدا ہے

یہ روحیں اور اشیاء کچھ نہیں ہیں
ترا ہی عکس شیشے پر پڑا ہے

ہے میری جان کا حاصل من و تُو
من و تو سے ہی میرا دل بنا ہے

یہ دل انساں نہیں ہے صرف میرا
یہ میری جان ہے سرِّ انا ہے

اے عارفؔ رب ہے میرا میرے دل میں
مری جاں کیا ہے؟ رب کا راستہ ہے

غزل

فقط ایک راز ہے کون و مکاں میں
حقیقت اس کی پوشیدہ ہے جاں میں

تعجب قم بِاِذنی پر نہ کیجئے
وہی تو بولتا ہے ہر زباں میں

ثبوتِ وادیٔ ایمن ہے شاہد
کیا ایک پیڑ دعویٰ اپنی شاں میں

شجر کہہ دے اَنا الحق تو ہے جائز
اگر منصور کہہ دے تو گماں ہے

اگر وہ غیب ہے غائب نہ کرنا
اسی حاضر سے ہستی شادماں ہے

اگر سمجھو تو ہستی ایک ہی ہے
نہیں سمجھو تو یہ وہم و گماں ہے

ہر اک بندے میں دوئی بولتی ہے
مگر عارفؔ میں دوئی بے نشاں ہے

غزل

قبلہ یہ کائنات ہے دولت خدا بنی
مفتی کے لب پہ آ کے ریا بھی دعا بنی

اشیاء کی صورتوں کی پرستش تو کفر ہے
جو نقل میں ہے اصل وہ میری صدا بنی

معنیٰ شناس ہوں میں یہی ہے مرا طریق
میں آشنائے جان ہوں جاں راستہ بنی

شرف قبولیت سے بنا عرش میرا دل
اور روح میری جلوۂ شمس الضحیٰ بنی

اقرار کا حاصل ہے تو اے قبلۂ زہاد
تصدیق سے تصویر تری دلربا بنی

بے ذوق عبادت ہی تو کارِ فضول ہے
باذوق عبادت ہی مرا مدعا بنی

تن پروروں کا کام ہے سونا و بچھونا
من پروری کے کام سے عارف وفا بنی

غزل

عشق کا حاصل وصال بے زوال
قلب کیا ہے؟ کہ جمالِ ذوالجلال

تیرے چہرے پر جلالی ہے نقاب
تو الٹ دے تُو دکھا تیرا کمال

بت پرستِ نفس کب عابد ہوا
تجھ میں ہے تیرا خدا تیرا خیال

بس کتابوں میں اُلجھ کر رہ گیا
کیوں فقیہِ دین کا سارا کمال

دل حرم کے نور سے محروم ہے
حج ہے کیا؟ اک سیر ہے سیرِ خیال

حق نہیں ہے غیر کی مانند یار
غیر کیا ہے غیر ہے، حق بے مثال

سو بتوں کا بتکدہ تیرا وجود
ہے فنا میں غرق عارف کا کمال

غزل

ابھی تک کفر سے آلودہ ہے ایمان سینوں میں
رکوع مفلوج ہے بیمار ہیں سجدے جبینوں میں

بہت بیزار ہوں یارب یہ خرقہ چھین لے مجھ سے
ہزاروں بت چھپا رکھے ہیں میں نے آستینوں میں

ہر اک صورت میں سو سو بت کدے انگڑائی لیتے ہیں
کئی کعبے کئی معبود ہیں ان نازنینوں میں

ترقی کرچکا ہے اب مزاجِ عالمِ سفلی
ہوئی ہے روح فرسودہ جوانوں میں حسینوں میں

خدایا کیوں مجرّد ہو نہیں سکتا ہمارا دل
بہت بیزار ہے دنیا کے کتوں میں کمینوں میں

نجس اک دیو کو ہم پر مسلط کردیا تونے
نفس اور عقل سے یہ قید کرتا ہے زمینوں میں

اۓ عارفؔ آچکے ہیں تو چلو اِک کام تو کرلیں
ہدایت کا پڑھاتے ہیں سبق ہم نکتہ چینوں میں

غزل

بت اور عکسِ بت سے مرا آئینہ بنا
وہ خود پرست دل میں اتر کر خدا بنا

ہر شئی کو تونے ہستی کا مظہر بنادیا
بندہ بنا کے مجھ کو تو میری وفا بنا

ساری حقیقتوں کی حقیقت تُو جانِ تُو
اور تیری جانِ جاں سے ترا مصطفٰی بنا

اسلام و کفر تیری ہی ہستی کا راز ہے
توحید اگر بت ہے تو تو بت نما بنا

جو کچھ ہے صمدیت کے سوا بت یا بت گری
دیر و حرم میں تیرا ہی جلوہ خدا بنا

ہے عاشق و معشوق میں پوشیدہ وہی راز
عارفؔ وہی ہے سب تو کہاں دوسرا بنا

غزل

غرقِ تسلیم ورضا میرا قلندر ہے کہاں
شعبدہ باز ریاکار ہیں منصور یہاں

چار اور چودہ عماموں میں ہیں اُلجھے اُلجھے
ابنِ ادھم کی طریقت ہے یہاں وہم وگماں

یہ مشیت میں خلل مفت تصرف کیسا
چھوڑ قسمت کو دعاؤں کو اثر کو ناداں

تو نے اسباب میں روٹی کا بہانہ ڈھونڈا
ہے ترا رزق تری روح کے دامن میں نہاں

ہے تو مشہور فرشتوں میں شرافت تیری
آج تو اُس کی امانت ہے وہاں کل کا نشاں

مجھ سے اک روز خضر نے یہ کہا تھا عارفؔ
سیکھ منصور کے انجام سے رازِ عرفاں

غزل

میں نفس سے بندہ ہوں میری جاں میں خدا ہے
میں رمزِ مَن عَرَف ہوں وہی مجھ میں چھپا ہے

دیر و حرم و کعبہ کلیسا میں وفا ہے
فطرت میں جفا ہے تو یہ توحید بھی کیا ہے

ہم عشق و معشوق کے پندار میں اُلجھے
اِک تو ہے کہ ہر رنگ میں بس جلوہ نما ہے

یہ کن فکاں و کون و مکاں تیرا نور ہے
دونوں جہاں میں کون خدا تیرے سوا ہے

حق نور ہے تو نور کا مظہر ہے آدمی
انساں کے سوا کون امانت میں کھرا ہے

اک آخری زنار ہے ٹوٹے تو بتادوں
میں خود کے پسِ پردہ ہوں وہ جلوہ نما ہے

عارفؔ میں بت پرست ہوں رگ رگ میں کفر ہے
اس میرے کفر وشرک میں اِک بھید چھپا ہے

غزل

ستونِ عرش پہ کھینچا طنابِ آسماں آخر
امانت بخش کے پہنچا دیا مجھ کو کہاں آخر

میں فرشی ہوں کہ عرشی ہوں یہ عقدہ کیوں نہیں کھلتا
بیاں ہوں یا زباں ہوں میں یہ دل اول یہ جاں آخر

کبھی لبیک کہتا ہے حدیث بے زباں سن کر
کبھی کہتا ہے کتنی طول ہے یہ داستاں آخر

حجاب بے بصر ہے کس لئے ساقی تری مئے پر
ابھی تک کس لئے بے کیف ہے میرا گماں آخر

نکل جا ظلمتِ خطرات سے تو اور زرا آگے
خضر کے ساتھ مل جائے گا بچھڑا کارواں آخر

نمازِ عشق تو پڑھنا مجھے آتا نہیں زاہد
نمازِ وقت ہے گر وسوسہ جائیں کہاں آخر

سکندر بن کے تو آئینے کا ارمان پیدا کر
ائے عارفؔ تجھ کو دینا ہے یہاں سو امتحاں آخر

غزل

پہچانے کون رند کو اک یار کے سواء
جائز نہیں نشہ دل بیمار کے سواء

ہر لمحہ بس حیاتِ نبی کا جمال ہے
ہے کون مری جان میں سرکار کے سواء

یہ نفس کی نیرنگی مبارک ہو جہاں کو
اب کچھ نہیں ہے تن میں مرے یار کے سواء

دل، جان، عقل، ہوش سبھی مرتفع ہوئے
ایک میں ہوں اور کون ہے دلدار کے سواء

دیدارِ یار معنئ جنت میں نہاں ہے
جنت بھی کہاں ملتی ہے حقدار کے سواء

عارفؔ یہ شیخ کیوں ہوا برہم شراب سے
کیا ہے نشہ میں لذتِ دیدار کے سواء

غزل

بے نیازی ہے ترا حال یہ کیا کرتا ہے
کس لئے یار سے ملنے کی دعا کرتا ہے

ذکر کرنا ہے سلیقے سے کیا کر ذاکر
ذکر کرتا ہے! نمازیں بھی قضا کرتا ہے!

تیرے ماں باپ کو مارا ہے تری فکر میں ہے
کیسے دشمن کی محبت میں جیا کرتا ہے

کرنے والا ہے کوئی اور مشیت اس کی
تو کہ نادان ہے قسمت سے گلہ کرتا ہے

دیکھ عارفؔ کی محبت کا تقاضہ مت کر
مجھ پہ ہر آدمی لاحول پڑھا کرتا ہے

غزل

عشق پروانوں میں ہے جل جل کے مٹتے ہی رہے
جل گئے پر شمع کے جانب پلٹتے ہی رہے

کیسی سختی کیسی خواری کیسی ذلت کیا ستم
شمس و سرمد عشق کی راہوں میں کٹتے ہی رہے

ہے تو بس توحید ہے دونوں جہاں کچھ بھی نہیں
ہم بھی نقطہ کی طرح لا میں سمٹتے ہی رہے

وحدت و توحید تیرے راز کا میعار ہے
بزمِ ساقی میں مگر میخانے لٹتے ہی رہے

کیا بتائیں عشق میں عارفؔ ہمارا حال دل
اپنی صورت دیکھتے ہی خود پہ مٹتے ہی رہے

غزل

غریقِ عشق کو حاصل ہے ذکر و فکر و مقام
جمالِ قرب کی مسجد میں قلندر ہے امام

انوار و اسرار کا شاہد ہے مرا دل
میں نے سنا ہے طور پہ اللہ کا کلام

نفاق کفر و حرص حسد ہے یہی دنیا
دنیا پرست کیا ہے کہ فرعون کا غلام

فِی الۡاَرۡضِ خلیفۃ سے بشر جانشین ہے
رسوا نہ ہونے پائے فرشتوں میں تیرا نام

دنیا کی محبت ہی گناہوں کا بیج ہے
عارف یہ خواہشات کی دُنیا ہے فصلِ خام

غزل

میری نظروں میں خدا بھی آ گیا
میں فنا ہو کر بقا میں کیا گیا

خضر و موسیٰ بھی ہمارے ساتھ ہیں
عشق میرا عرش پر دیکھا گیا

ہر طرف تیرا ہی چرچا عام ہے
نور تھا تو خاک داں میں آ گیا

طالبوں کے واسطے اکسیر ہوں
میں نگاہِ ناز سے مارا گیا

حیدری شمشیر ہے تیری زباں
جو کہا تو نے وہی ہوتا گیا

تیری ہمت عشقِ ابراہیم ہے
تو قلندر آگ میں تنہا گیا

تو مسبّب کی رضا کا ہے سبب
تو یہاں، آگے تیرا سودا گیا

نور ہے توفیق کا تیرا وجود
تجھ کو دیکھا خود کو عارف پا گیا

غزل

اۓ شیخ مجھ کو صاحبِ وحدت کا پتہ دے
یا مجھ کو خاکِ یار کا پیوند بنادے

میں نفس کے گناہ سے مجبور ہوا ہوں
بچھڑا ہوں اپنے آپ سے آ مجھ کو ملادے

قطروں سے تشنگی نہیں بجھتی مرے ساقی
پیاسا ہوں ازل سے ترا میخانہ پلادے

سنتے ہیں کہ طالب کو ملاتا ہے خدا سے
قائم مقام کردے مجھے قربِ خدا دے

تیری نظر سے روحِ تجلی بنا ہوں میں
اۓ شیخ مجھے برزخِ کبریٰ کا پتہ دے

جبرئیل سے بھی اونچی وہ پرواز عطا کر
احساس بشریت کا مرے دل سے مٹادے

دنیا کتابی علم سے کرتی ہے فیصلہ
منصف تو مرا مجھ کو مقدر کا صلہ دے

آتے ہیں فرشتے بھی یہاں احترام سے
عارفؔ یہ قلندر ہے یہاں خود کو مٹادے

غزل

پیر روحانی مرا حاضر و ناظر ہوگیا
جسم کی دنیا میں میرے دل کا رہبر ہوگیا

لامکاں میں میں مکینِ لامکاں ہونے لگا
قدس میں مشہور میرے غم کا پیکر ہوگیا

میں وہاں ہوں کہ جہاں ممکن نہیں میرا زوال
کیا بتاؤں عشق میں میں حق کا مظہر ہوگیا

میں عناصر سے گذر کر نور میں ڈھلنے لگا
نور بن کر میں بقا میں ماہِ انور ہوگیا

یہ محمد کا کرم ہے تیرا دامن مل گیا
تونے دیکھا اِک نظر تو میں قلندر ہوگیا

شیخِ کامل کیا ہے کہ توحید میں کرتا ہے سیر
دیکھ عارفؔ خضر جیسا تیرا رہبر ہوگیا

غزل

ذاتِ حق میں عشق کو اسرار ہونا چاہئے
عشق کیا ہے صاحبِ دیدار ہونا چاہئے

آنکھ برسوں بعد سوئی ہے تو سونے دو مگر
اہلِ غم کو قلب میں بیدار ہونا چاہئے

غیر کی شرکت سے اپنی عقل کو مشرک نہ کر
جان دیکر عشق کا اظہار ہونا چاہئے

عارفِ کامل صفاتِ غوث کا مظہر بنے
قُم کہا تو مردہ دل بیدار ہونا چاہئے

حاضرِ حق بادشاہِ حق میں شامل ہوگیا
پھر الستی قول پر اقرار ہونا چاہئے

کس طرح روکے گا مجھ کو میری مرقد کا حصار
بس مقامِ قرب ہی دیوار ہونا چاہئے

یار ہے تیرا مسیحا آئے گا عارفؔ ضرور
بس ذرا سا نفس کو بیمار ہونا چاہئے

غزل

میرے ہاتھوں میں دیئے جائیں اگر لوح و قلم
لکھ کے قسمت اِک نئی جنت زمیں پر لاؤں گا

مرقدِ شبلی سے میری روح کو آئی صدا
مٹ چکا نام و نشاں میرا کہاں سے لاؤں گا

عشق لے کر لوگ جاتے ہیں ترے دیدار کو
منتظر رہنا مقامِ قرب لے کر آؤں گا

میں فنا ہوکر تری وحدت کو ثابت کردیا
اے وصال یار تجھ پہ جان دیکر جاؤں گا

جسم میرا کیا ہے کہ تیری ولایت کا مکاں
اب اگر میں بھی ہوا تو خود میں تجھ کو پاؤں گا

خاک میں جاکر نیا کعبہ بنانا ہے مجھے
یار اے عارفؔ اگر روٹھا تو میں جل جاؤں گا

غزل

شاہد و مجاہد ہوں محبت کا حال ہوں
میں بندۂ مؤمن کی نظر کا کمال ہوں

میں کیا ہوں میں نہیں ہوں اگر ہوں تو کیا ہوا
انسان کی صورت میں میں وہم وخیال ہوں

ساقی عروج اتنا عطا کرگئی شراب
میں لامکاں میں عشق ہوں غم کا معال ہوں

میں تو یہی کہوں گا کہ انفُسنا ظلمنَا
تو فاعلِ حقیقی میں شرمندہ حال ہوں

سر مست لااللہ کا مقتول ہے لیکن
واعظ نے کہا میں تو فقط قیل و قال ہوں

کیوں چھیڑتا ہے ناصح میرے جمال کو
باطن میں قلندر ہوں میں تیغِ جلال ہوں

میں تھا نماز عشق میں کس نے اذان دی
سوچا نہ مؤذن میں قریبِ وصال ہوں

عارفؔ میں اہلِ بیت سے منسوب ہوں مگر
میں ہوں حسینی خاک تو شبلی کا حال ہوں

غزل

ذکر ہے نہ فکر ہے مذکور کا دیدار ہے
نور تھا میں نور ہوں کہ نور میرا یار ہے

جو ازل میں حال تھا میرا ابد تک رہ گیا
عشق میں باطن ہے میرا خاک میں اظہار ہے

وصل ہی ایمان ہے تختِ سلیماں سے عزیز
میرا کلمہ ساتھ ہے تصدیق ہے اقرار ہے

لطف آتا ہے بہت ذاکر کو ذکرِ یار میں
میں ازل کا خواب ہوں تعبیر وصلِ یار ہے

نفس تھا ناسوت میں اب روحِ ربانی ہوں میں
دل فنا میں سوچکا تھا عشق میں بیدار ہے

انتہائے فقر تک شاید ہی پہنچا ہو کوئی
ورنہ ہم جیسے فقیروں کا بھرا بازار ہے

میں ہوں اپنی خاک کے پردے میں اس کا منتظر
دیکھ اۓ عارفؔ مرا مشتاق میرا یار ہے

غزل

اۓ موت تیری راہ سے گذرا ہوا ہوں میں
مرنے سے پہلے عشق میں مردہ ہوا ہوں میں

اپنی فنا ہی فقر کا پہلا مقام ہے
اپنی فنا کے بعد بتا کیا ہوا ہوں میں

مٹی نہ سمجھنا میری تربت کو دیکھ کر
میں روحِ تجلی ہوں کہ جلوہ ہوا ہوں میں

تنہائیوں میں تنہا، میں ہم نشینِ یار
صورت کو اس کی دیکھ کے شیدا ہوا ہوں میں

یہ کیا کہ فرشتے بھی نہیں آتے قبر میں
مٹی میں ہوں کہ عرش پہ پیدا ہوا ہوں میں

ویسے تو مرا جسم ہی مانندِ قبر تھا
اک قبر خاک میں ہے تماشہ ہوا ہوں میں

عارفؔ مجھے ہے رنج نہ حزن و ملال ہے
میری نجات ہوگئی بخشا ہوا ہوں میں

غزل

ساقی شراب لاکہ ابھی ہوش ہے باقی
آنکھوں سے پھر پلا کہ ابھی ہوش ہے باقی

میں لا کہا تو لا میں فنا کردیا مجھے
خود سے مجھے ملا کہ ابھی ہوش ہے باقی

اِلّا سے دور واصلِ اللہ کردیا
اب تو نظر اُٹھا کہ ابھی ہوش ہے باقی

میں قلب وجاں کے ساتھ ہی مخمور ہو چکا
پھر بھی ہے تقاضہ کہ ابھی ہوش ہے باقی

سارے حواس میری اطاعت میں ہیں مشغول
یہ کیسا تماشہ کہ ابھی ہوش ہے باقی

مجھ کو غریقِ بادۂ وحدت بھی کردیا
یہ میرا ظرف تھا کہ ابھی ہوش ہے باقی

ساقی نے اس مقام پہ پہنچادیا مجھے
عارفؔ نہیں گلہ کہ ابھی ہوش ہے باقی

غزل

یہ کیا نشہ ہے کیسی پلادی مجھے شراب
میں بن گیا ہوں نور دعا دی مجھے شراب

میں خود ہی نظر آتا ہوں ہر اِک مقام پر
ساقی ترا آئینہ بنادی مجھے شراب

ساقی مئے توجہ سے ''تــــا'' کو فنا کیا
پھر وجہُ سے صورت بھی دکھادی مجھے شراب

وہ میرے سامنے ہے میں اس کے سامنے
دیدار کے قابل بھی بنادی مجھے شراب

ساقی تری نگاہ کو میں نے دعائیں دی
میں تھا نشے میں غرق دعا دی مجھے شراب

آیا تھا کبھی دل مرا حسنِ جہاں پر
عارف کی اس خطا پہ سزا دی مجھے شراب

غزل

مجھ سے مت پوچھ قلندر مرا کیا کرتا ہے
نورِ گنجینۂ توفیق عطا کرتا ہے

ہفت افلاک پہ کرتا ہے حکومت مؤمن
اہلِ دنیا کی وہ تقدیر پڑھا کرتا ہے

ذاتِ حق ھُوَ کا تصور دے کر
دل کے مانند وہ آنکھوں میں رہا کرتا ہے

کلمہ طیب کا پڑھا دیتا ہے طیب کر کے
بعد توحید کا عرفان عطا کرتا ہے

کشف والہام سے مظہر ہے صفاتِ حق کا
وہ ہے عارف کہ مریدوں میں رہا کرتا ہے

غزل

آ بھی جا کفر کی زُنّار کو توڑا جائے
بس حقیقت میں مسلمان بنایا جائے

تیری نظروں کو بھی تصدیق کے قابل کر کے
کلمہ طیب بھی ترے دل کو پڑھایا جائے

بسم اللہ سے عرفاں کا تصور دے کر
تجھ کو دیدار کا مشتاق بنایا جائے

ذکر و دل جان و ایمان کا جوہر دے کر
تیرا حق ہے تو تجھے حق سے ملایا جائے

تو ہے شہباز مرے دل کے چٹانوں پہ اتر
تجھ کو جبرئیل کا انداز سکھایا جائے

گوہرِ دل کو یہاں توڑ دیا جاتا ہے
تو ہے یوسف تو تجھے کیوں نہ بکایا جائے

میں پریشان ہوں عارفؔ تری زلفوں کی طرح
دل جلوں کو ترے سائے میں بسایا جائے

غزل

آدمی آج تکبر میں جیا کرتا ہے
یہ تو اللہ کے شیروں کا گلہ کرتا ہے

ٹوٹے موتی کا کوئی پوچھنے والا ہی نہیں
دل شکستہ ہے تو انمول ہوا کرتا ہے

یہ بھی انسان ہے انسان سے نفرت کر کے
اپنے پالے ہوئے کتوں سے وفا کرتا ہے

اس پہ اسرار کی باتوں کا اثر کیا ہوگا
یہ تو مردار ہے مردوں میں رہا کرتا ہے

خود ہے عرفان کی عظمت سے ابھی تک محروم
پھر بھی اللہ سے قسمت کا گلہ کرتا ہے

مال و زر ننگ و ناموس ترقی کے لئے
آج عالم بھی تو تقریر کیا کرتا ہے

ہائے کس دور میں پیدا ہوئے ہم ائے عارفؔ
خون انسان کا انسان پیا کرتا ہے

غزل

ساقی تری نظر ہے کہ دریا شراب کا
یاد آرہا ہے مجھ کو زمانہ شباب کا

نادان ڈھونڈتا ہے کتابوں میں خدا کو
آ میکدے میں بیٹھ خدا ہے کتاب کا

زاہد دُعائے سیف سے مرتا نہیں ہے نفس
بس وار کردے نفس پہ تیغ شراب کا

دنیا نے مری خاک سے تارے بنا لئے
میں نے پیا نچوڑ کے رس آفتاب کا

ساقی تری پسند ہے قرآن کی طرح
مفتی تجھے پسند ہے فتویٰ کتاب کا

ساغر سے مئے ٹپکتی ہے کوثر نہیں واعظ
چھونے سے بھیگ جائے گا تقویٰ جناب کا

تو عرصۂ صراط سے گزرا ہے کئی بار
عارفؔ تجھے نہیں ہے کوئی غم عذاب کا

غزل

آنے لگے ہیں ساغر و مئے میرے خواب میں
مجھ کو پلادے تیرا تصور شراب میں

روشن ضمیر ساقیا پیالا ہے دستگیر
ممکن نہیں ہے میرا بہکنا شباب میں

زاہد نظر چرا کے نگاہوں سے گر گیا
سمجھا نہ میکدے کو یہ اُلجھا کتاب میں

لایا ہے کس مقام پہ ساقی ترا نشہ
تعبیر پی کے مر گئے جیتے ہیں خواب میں

تیری نگاہِ ناز کا اعجاز کیا کہوں
دونوں جہان آگئے خاکی حجاب میں

کرسی و عرش، لوح، قلم مقتدی ہوئے
میں نے بچھا دیا ہے مصلیٰ شراب میں

عارفؔ یہ آرزو تھی کہ دیدارِ یار ہو
وہ بے حجاب ہو گئے میں ہوں نقاب میں

غزل

فقہ و اجتہاد ہے جنت کے بام تک
دل کی رسائی ہوتی ہے دل کے مقام تک

عرفان ناشناس یہ دنیا کا مسلمان
پہنچا ہے بڑی دیر سے رسمِ سلام تک

فیض و کرم عطا ہے کمالِ نگاہِ شوق
ہر علم بے اثر ہے عمل کے قیام تک

ایمان کیا ہے روشنی راہِ نجات کی
محدود علم بھی ہے الف اور لام تک

کامل کی ہدایت میں غنایت کا نور ہے
رہبر ہے یہی نور بقا کے مقام تک

عارفؔ اذان سنتے ہی بجھنے لگا ہے دل
شاید نماز پہنچی ہے میری امام تک

غزل

تیری جبین نور ہے، چاندی کا جام ہے
آنکھیں تری قوسین کے جلوے کا نام ہے

مجھ کو بھی کبھی بادۂ توحید پلادے
سنتے ہیں کہ توحید میں تیرا قیام ہے

اپنی اَنـــا کے قُم سے نشہ کو حیات دے
مردے جلانا ساقیا تیرا ہی کام ہے

گر فاش نہیں کرتا اَنا کو شراب دے
میں جانتا ہوں تیرا یہاں کیا مقام ہے

مئے میں نشہ ہے یا کہ نشہ بن گیا ہوں میں
مئے میں تُو میکدہ ہے نشہ میں تُو جام ہے

ہم رنگ مئے ہوئے ہیں مرے ظاہر و باطن
کس نے کہا شربِ محبت حرام ہے

مفتی مری شراب پہ فتویٰ تو دے چکا
عارفؔ کے ساتھ رند ترا کفر عام ہے

غزل

برزخِ ذاتِ نبی سے نہ جدا ہوتے ہم
گر نہیں ہوتے زمین پر تو خدا ہوتے ہم

کاش یہ جسم ترے اسم میں غائب ہوتا
اسمِ ظاہر میں تری شانِ بقا ہوتے ہم

شرع ظاہر میں ہے باطن میں حقیقت ہے تو
دل پہ لکھ لیتے ترا نام تو کیا ہوتے ہم

کشتۂ خاک کہاں ذکر کیا کرتا ہے
گر نہیں جلتے تو کس طرح فنا ہوتے ہم

ہم بھی شبلی کی حقیقت میں زباں ہو جاتے
ڈوب کر عشق میں سرمد کی ادا ہوتے ہم

نفس کو مار کے گر روح کو زندہ کرتے
تن نہیں ہوتے اگر، نور خدا ہوتے ہم

گر ترے نام کی تاثیر میں جلتے عارفؔ
روشنی ہم سے بھی ہوتی تو دِیا ہوتے ہم

غزل

مقامِ حاکم و محکوم سے واقف ہوں ائے زاہد
تو پڑھنا ذکرِ سلطانی کہ سلطاں میرے اندر ہے

فنا فی الشیخ ہو کر عشق میں باقی رہوں گا میں
مرا رہبر خضر ہے اور نگہباں میرے اندر ہے

میں رازِ کن سے حل کرتا ہوں عُقدے علم کے واعظ
محبت ہوں میں ذاتِ حق کا عرفاں میرے اندر ہے

میری ہستی نہیں میں حال ہوں روشن ضمیروں کا
مِرا ظاہر ضیاء ہے شمع یزداں میرے اندر ہے

مرے مذہب میں باطل کفر ہے حق بات کہتا ہوں
ائے عارفؔ میری صورت کا ہی مہماں میرے اندر ہے

غزل

دردہے آگ ہے جلتا ہوں سناؤں کیسے
قطرہ قطرہ میں پگھلتا ہوں سناؤں کیسے

میرا ہر حال خضر سے بھی چھپایا میں نے
خود ہی گرتا ہوں سنبھلتا ہوں سناؤں کیسے

جان دیتا ہے ترے نام پہ دیوانہ دل
دم میں ڈھلتا ہوں نکلتا ہوں سناؤں کیسے

عشق قاتل کی طرح خون جگر پیتا ہے
تیرا بسمل ہوں مچلتا ہوں سناؤں کیسے

کیا نشہ ہے کہ مرے سر سے اترتا ہی نہیں
روز ہستی کو بدلتا ہوں سناؤں کیسے

درد، تنہائی، جلن، آگ، سے رشتہ عارفؔ
میں نبھاتا ہوں بہلتا ہوں سناؤں کیسے

غزل

دنیا کو ہم نے چھوڑ دیا دل کے سفر میں
دنیا بہت حسیں ہے ریا کار کے گھر میں

کیوں لوگ دیکھتے ہیں حریصانہ نظر سے
محفوظ نہیں عصمتِ دنیا بھی شہر میں

یہ کس نے مسلط کیا دنیا کو دین پر
اب دین نہیں دین کا فرقہ ہے دہر میں

اللہ تو ہی نگراں ہے میری نماز کا
بکتے ہیں اب امام بھی اللہ کے گھر میں

پانی تلاش کرتے ہیں نادان آگ میں
ابلیس جنم لیتے ہیں انساں کے ہنر میں

الجھا ہوا ہے ہر کوئی اپنے مفاد میں
انسان کو تمیز نہیں سنگ و گہر میں

عارفؔ کی کشمکش کو خدا کی تلاش ہے
اس کو چڑھا دو دار پہ منصور کے گھر میں

غزل

ذکر میں ڈوب کے ہم فکر کیا کرتے ہیں
جان محبوب کو سجدے میں دیا کرتے ہیں

لوگ سمجھے کہ وظیفوں میں دعا کرتے ہیں
ہم تو ہر لمحہ یہاں قتل ہوا کرتے ہیں

اپنی گردن ہے تہ تیغِ محبت واعظ
سر کو دے کر بھی نمازوں کو ادا کرتے ہیں

خود کو آباد جو کرتے ہیں لا مکانوں میں
اپنی ہستی کو وہ جیتے جی فنا کرتے ہیں

دوست ہی دوست کے اسرار سے واقف ہوگا
صرف کم ظرف ہی الفت میں گلہ کرتے ہیں

آہ کو میری فرشتوں نے دبا رکھا ہے
میرے افکار کو جبرئیل لیا کرتے ہیں

روک سکتی نہیں اب زندگی مجھ کو عارفؔ
میری نظروں سے کئی طور جلا کرتے ہیں

غزل

جب تیری محبت نے مرا دل چرالیا
میں نے بھی ترے درد کو قسمت بنا لیا

قلُ قلُ کی صدا آتی ہے مینا سے جام میں
ساقی شرابِ عشق کو قرآں سکھا لیا

واللہ ترا دردِ محبت تھا بے قصور
منصور جسے عشق میں سولی بنا لیا

میری وفا کا لیتا ہے نمرود امتحاں
میں نے تو اپنے آپ کو زندہ جلا لیا

بے خواب محبت میں پریشان تھا شباب
میں نے جلا کے خاک سے اِک دل بنالیا

عارفؔ تمام عمر گذاری ہے خواب میں
جاگے تو اپنے آپ سے پیچھا چھڑا لیا

غزل

نازل ہے سر پہ موت ہمارے شباب کی
معلوم ہوئی آج حقیقت شراب کی

فقہ نہ مسائل ہیں نہ فتویٰ نہ علم ہے
پینے کے بعد کچھ نہیں تعبیر خواب کی

دنیا کے بت کدے پہ ترا اعتبار کیوں
ناداں حسیں بتوں میں جوانی خراب کی

پیالے میں پل صراط سے ہم لامکاں گئے
منزل تھی دور ہم سے ثواب وعذاب کی

صوم و صلوٰۃ و علم پیالے کو پلادے
گستاخی ہے میخانے میں عادت حجاب کی

خودتک بھی اگر پہنچا غنیمت ہے یہ عارفؔ
ہستی ہی مبتدی تو ہے رحمت کے باب کی

غزل

کشتی میں سمندر ہے کنارہ گیا کہاں!
ائے بادبانِ عشق مجھے لے چلا کہاں!

صبحِ ازل تھی غرق ہوئے تھے الست میں
خوابِ دہر میں ڈھونڈ رہے ہیں خدا کہاں!

جس دن سے تجھے دیکھا مجھے ہوش نہیں ہے
مستی کہاں شراب کہاں ساقیا کہاں!

شاہین کی پرواز مگس کو نہیں نصیب
زاہد کہاں کتاب کہاں دل جلا کہاں!

مکتب میں سکھائی نہیں جاتی نمازِ عشق
تیرے جنوں میں معرکۂ کربلا کہاں!

اقرار کے معیار سے تصدیق ہے افضل
واعظ تو صداقت سے مگر آشنا کہاں!

اُلجھے ضعیفِ ذات ہی درسِ صفات میں
عارفؔ کا علمِ ذات کہاں مرتبہ کہاں

غزل

میں نے تو خود کو قتل کیا دیکھ بھال کے
تلوار مِرے عشق کی رکھنا سنبھال کے

آبِ حیات پی کے تری ذات میں گم ہوں
گھر میں تجھے بسا لیا خود کو نکال کے

لاکھوں ہیں مجھ سے رند مگر ساقیا کہاں
دریا پلا رہا ہے وہ قطرے میں ڈال کے

تو دل کو میرے دیکھ کتابِ عمل نہ دیکھ
ورنہ نہ پورے ہوں گے ارادے وصال کے

ساقی پلا کے مجھ کو بھی مغفور کردیا
درجات عطا ہوں گے مجھے بھی کمال کے

عارفؔ کے دل میں آیئے موسم حسین ہے
پھر پھول کھل رہے ہیں تمہارے خیال کے

غزل

میرا طریقِ کارِ وصالِ حبیب دیکھ
رہتا ہے دور آنکھ سے دل کے قریب دیکھ

اے جادۂ حیات ترے اختتام سے
آگے مرا سفر ہے کہ میرا نصیب دیکھ

پی پی کہا پپیہا پلادے مجھے شراب
مرجائے گا ساقی ترا پیاسا غریب دیکھ

اب کوثر و تسنیم کی حاجت نہیں رہی
مجھ کو شراب لاتا ہے میرا طبیب دیکھ

کتنے ہی اہلِ درد کو سنگسار کردیا
آ شہرِ محبت میں رسوم عجیب دیکھ

گستاخیاں حرام ہیں تہذیبِ عشق میں
تو آہ بھی کرتا ہے تو سر پہ صلیب دیکھ

عارفؔ خیالِ یار کا سودا لئے ہوئے
دنیا سے جا رہا ہے وفا کا غریب دیکھ

غزل

یارو غریقِ ذات کو حمد و ثناء نہیں
خود کو تلاش کرلو تلاشِ خدا نہیں

کافی ہے عمل عشق میں اثباتِ ذات کا
دونوں جہاں میں تو ہے کوئی دوسرا نہیں

آ نفس بدنصیب تجھے قتل ہی کردوں
اس کے سوا تو اور کوئی راستہ نہیں

کلمہ سے میں نے عشق کو طیب بنالیا
اب مجھ کو عناصر کی ضرورت زرا نہیں

مانا فغاں کناں ہیں پراگندہ نہیں ہیں
اب تک ترے دیدار سے دل بھی بھرا نہیں

ہم عشق کی تلوار سے سرگرمِ عمل ہیں
عارؔف کے حوصلے کی کوئی انتہا نہیں

غزل

آخر نماز پہنچی مری بابِ اثر تک
قائم رہے گا میرا وضو روزِ حشر تک

پرواز مری عرش سے اونچی ہے فرشتو
تم ہو کے نہیں پہنچے حقیقت میں بشر تک

بے حرف پڑھا کرتے ہیں قربت میں ہم نماز
زاہد کی مگر دوڑ ہے اللہ کے گھر تک

نیت نمازِ عشق کی آساں نہیں واعظ
شمع کی طرح آگ میں جلتے ہیں سحر تک

آجاؤ انتظار کی قسمت سنوار دو
لائے ہیں دل کے خون کو ہم دیدۂ تر تک

محبوب کی خنجر سے اگر قتل نہ ہوتے
عارؔف پہنچ نہ پاتے تری راہ گذر تک

غزل

پہنچا مرا جنون کمالِ شراب تک
واعظ کا علم رہ گیا حسنِ کتاب تک

دل کیا گیا کہ ہم بھی گئے دل کے ساتھ ہی
ویسے ہمارے ساتھ ہی دل تھا شباب تک

ناپید ہوگئے ہیں محبت کے ولولے
مٹی نہ جاسکی مری صورت میں خواب تک

جلتے نہیں چراغ شبستانِ عشق میں
تارے کی طرح سرد ہوا آفتاب تک

کیا کام میکدے میں ہے عقل و شعور کا
زاہد یہ عقل کیا ہے مدرس ثواب تک

عارفؔ ہے ترے دید کا مشتاق ازل سے
اٹھتا نہیں ہے کس لئے رخ سے نقاب تک

غزل

رسوائیوں کا نام بہارِ جنون ہے
منصور ہوں میں مجھ کو خمارِ جنون ہے

فتوے لگاؤ کفر کے زندیق کہو تم
دیوانہ راہِ حق میں سوارِ جنون ہے

دل کے لہو سے حسن کو بخشی ہے تازگی
جاناں! ہمارا عشق، وقارِ جنون ہے

ناداں زباں پہ عشق کا لاتے نہیں ہیں نام
کہتے ہیں جس کو عشق وہ دارِ جنون ہے

ہر دل جلے کا زخم مرے دل کو دیئے جا
آباد ترے غم سے دیارِ جنون ہے

اک راز ترا فاش کیا تھا شباب میں
عارفؔ کے سر پہ آج بھی بارِ جنون ہے

غزل

عشق رگ رگ سے مرا خون پیئے جاتا ہے
یہ مجھے مجھ سے بہت دور لئے جاتا ہے

ڈھونڈا کرتا ہوں میں آفاق سے آگے تجھ کو
تو مجھے فرش سے پیغام دیئے جاتا ہے

میں تھا پابند وہ آزاد کیا ہے مجھ کو
میں جو نکلا وہ مرے گھر میں جیئے جاتا ہے

تیرے ہر راز کو میں فاش تو کرتا لیکن
خوفِ رسوائی مرے ہونٹ سیئے جاتا ہے

دیکھ ساقی ترے عارفؔ کی تشنگی کا جنوں
خالی بوتل ہے مگر رند پیئے جاتا ہے

غزل

رند کو کرتے نہیں ناصح نصیحت چھوڑ دے
میکدے میں کم سے کم اپنی شرافت چھوڑ دے

بیچ کر اپنا قلم مفتی بھی آ کر پی گیا
آمِرے قاضی یہاں پی کر قضاوت چھوڑ دے

پی شرابِ عشق زاہد ساقیا کے روبرو
میکدے میں ضد نہیں کرتے جماعت چھوڑ دے

عقل وفکر وفن کو مئے میں گھول کر پیتے ہیں رند
بھول جا ساری کتابیں علم و حجت چھوڑ دے

دیکھ اس چھوٹے سے پیمانے میں کتنا شور ہے
رند اس گرداب میں اپنی حقیقت چھوڑ دے

یہ نشہ بیدار رکھتا ہے اسیر خواب کو
یار عارفؔ اور پی واعظ کی صحبت چھوڑ دے

غزل

دل تو مجروح ہوا عشق کی آزانوں میں
خون سے کر کے وضو مل گئے دیوانوں میں

پڑھ کے تکبیرِ فنا ذات میں شامل میں ہوا
عشق رہبر تھا مرا قُرب کے امکانوں میں

عشق کے راز کو کم ظرف سے کہنا نہ کبھی
عشق اسرارِ الٰہی ہے دو جہانوں میں

تو نے اسلام کو فرقوں میں کیا ہے تقسیم
تو بھی اُلجھا ہے دلائل کے صنم خانوں میں

بتکدوں میں تو اذاں دے نہیں سکتا واعظ
تیری تبلیغ کا منشاء ہے مسلمانوں میں

آ تجھے فقر کے منصب سے روشناس کروں
دوست اللہ کے زندہ ہیں آستانوں میں

سیکھ عارفؔ یہاں آدابِ زباں بندی کے
راز کی بات نہیں کرتے ہیں نادانوں میں

غزل

آنے سے پہلے موت مرے یار آ کے مل
تھوڑی سی زندگی ہے زرا مسکرا کے مل

موسیٰ نہیں ہوں جو تجھے دیکھوں نقاب میں
عاشق ہوں ترے حسن کا چہرہ دکھا کے مل

دل پر گرفت تیرے تصور کی ہے مضبوط
میں جل چکا ہوں عشق میں مجھ کو بنا کے مل

مشتاق ہوں دیدار کا روزِ ازل سے میں
پردہ تجھے منظور ہے مجھ کو چھپا کے مل

ہم اہلِ درد پی کے بہک جاتے ہیں اکثر
تو میکدے میں رند کے شیشے میں آ کے مل

ہم زندگی گذار چکے کفرِ یار میں
اک دل بچا کے رکھا ہے دل میں سما کے مل

کلمہ نشے میں پڑھ کے مسلمان ہوئے ہیں
عارفؔ پہ اب صلیب کا فتویٰ لگا کے مل

غزل

آتے ہیں اب تو خواب بھی سوکر شراب میں
توبہ کو پی چکے ہیں ڈبوکر شراب میں

مسجد میں زرا بیٹھ کے پینے دے اے امام
لائے ہیں ہم وجود کو دھوکر شراب میں

تحفہ ہے میکشوں کا ائے زاہد قبول کر
تسبیح لے کے آئے پروکر شراب میں

ہم میکشوں سے دور رہو تم بھی ائے خضر
ہر ہر قدم پہ کھاتے ہیں ٹھوکر شراب میں

کھیتی ہوس کی اہل زمانہ کو مبارک
ہم تو نشہ اُگاتے ہیں بوکر شراب میں

عارفؔ کے ساتھ ایک نظر دیکھ لے زاہد
لائے ہیں ہم بہشت سموکر شراب میں

غزل

ساقی نے بھر دیا مرا ساغر شراب سے
میں نے نکاح کرلیا آخر شراب سے

میں نے وضو و غسل کیا ہے شراب میں
بھرتا نہیں ہے دل مرا دلبر شراب سے

بھر دے شراب میری لحد میں اے ساقیا
اچھا ہے شرابی کا بنے گھر شراب سے

جنت اگر ملے تو نہا کر شراب میں
بے ساختہ لگاؤں گا بستر شراب سے

کتنا حسین ہوتا ہے توحید کا نشہ
عارفؔ گئے ہیں جسم بدل کر شراب سے

غزل

میں عین میں ثابت تھا مرے یار کے گھر میں
آیا ہوں حکمِ کُن سے عناصر کے سفر میں

تھا امرِ کُن سے پہلے مری ذات کا جلوہ
اب تجھ کو دیکھتا ہوں میں ہر ایک بشر میں

کل تک میں لامکان میں پابند نہیں تھا
میں آج مقید ہوا مٹی ترے گھر میں

اے نفس کے خناس تجھے ڈھونڈ رہا ہوں
افسوس کہ آتا نہیں برسوں سے نظر میں

پروانہ وار عشق کی آتش میں جلا ہوں
ہیں آگ کے شعلے مری آہوں میں، اثر میں

آزادِ عناصر ہوں مگر دل کے ساتھ ہوں
دل کیا ہے مرا کعبہ ہے خالق کی نظر میں

ساغر کی ضرورت نہیں سرشارِ عشق کو
عارفؔ ازل سے مست ہے مستی کے سفر میں

غزل

اے عشق تری راہ میں برباد ہوا ہوں
کعبہ تھا کہ بت خانے میں آباد ہوا ہوں

رہتا ہے تو کلمہ کی طرح میری زباں پر
مظلوم کے ہونٹوں پہ میں فریاد ہوا ہوں

صد شکر کہ آیا ہوں قلندر کی نظر میں
کل تک تو میں فریاد تھا اب یاد ہوا ہوں

گندم کا دانہ چُگ کے مجھے کر دیا ذلیل
اے نفس ادھر آ کہ میں صیاد ہوا ہوں

عارفؔ نے بس الف کو پڑھا ہے تمام عمر
کہتے ہیں مجھے لوگ میں اوتاد ہوا ہوں

غزل

عشق نے ہم کو چیرا تو رسوا ہوئے
زلفِ محبوب میں مثلِ شانہ ہوئے

ہجر میں ہم حنا کی طرح پس گئے
نازنینوں میں رنگِ کفِ پا ہوئے

طور کی طرح صدیوں سے جلتے رہے
آج دلبر کی آنکھوں میں سرمہ ہوئے

بیچ کر خود کو تیری تمنا کیا
تیری الفت میں ہم بھی تماشہ ہوئے

عشق کا دین ہم نے پسند کرلیا
ہم بھی تیری طرح آج تنہا ہوئے

سب سے پوشیدہ رکھا ترے درد کو
یعنی عارفؔ محبت میں کعبہ ہوئے

غزل

کل کُن تھا اب تماشہ بنایا گیا ہوں میں
متضاد عناصر میں سمایا گیا ہوں میں

میری حیاتِ عارضی جب مختصر ہوئی
اپنی قضا میں زندہ اٹھایا گیا ہوں میں

کعبہ کی طرح سینۂ رحمت میں رہا دل
اچھا ہوا کہ دل میں بسایا گیا ہوں میں

میخانے کا طواف کیا کرتا ہوں اکثر
پینے کے لئے آج بلایا گیا ہوں میں

اس کی نگاہِ مست قلندر کو ذرا دیکھ
جس کی نظر سے عرش بنایا گیا ہوں میں

سب ختم ہو چکے ہیں جہاں کے تنازعات
عارفؔ میں جا رہا ہوں بلایا گیا ہوں میں

غزل

وفاؤں کی محفل سجاتے رہے ہم
چراغِ محبت جلاتے رہے ہم

زمانے کی باہوں میں لیٹے ہیں ظالم
زمانے کو ٹھوکر لگاتے رہے ہم

محبت کا اظہار اب تک نہ کر کے
محبت کی عصمت بچاتے رہے ہم

پلاتا ہے ساقی مگر میکدے میں
نمازِ محبت پڑھاتے رہے ہم

یہ شہرِ خموشاں ہے مردہ دلوں کا
وفا کی اَذانیں سناتے رہے ہم

قتیلِ ہوس کو خدا کی طلب کیا
اۓ عارفؔ خدا کو مناتے رہے ہم

غزل

رہبر ہے قلندر جب میرا، رہزن کا مجھے ڈر کیا ہوگا
اب راہی نہیں پابندِ خدا اب راہی کا رہبر کیا ہوگا

یہ کیسی نظر دیدی تو نے ہر چیز کی تہہ تک جاتی ہے
میں فاش اگر کردوں تیرا، ہر راز تو منظر کیا ہوگا

سنتا ہوں اسمِ اعظم کو دل ہے کہ تلاوت کرتا ہے
کعبہ بھی مقدس ہے لیکن اس دل کے برابر کیا ہوگا

عقلوں میں نہیں آتی ہرگز شہبازِ محبت کی پرواز
افلاک میں جب پابند نہیں سوچو تو زمین پر کیا ہوگا

زنجیرِ عناصر پاؤں میں ہوتی نہ اگر آزاد تھے ہم
عرفان کا مظہر عارفؔ ہے اللہ کا مظہر کیا ہوگا

غزل

ہر مرض کی دوا ہے تو میرے طبیب آ
رہنے دے دعا اور دوا کو قریب آ

مجبور ہوں کہ تیری طرف چل نہیں سکتا
تکلیف تو ہوگی تجھے میرے حبیب آ

طے کر رہے ہیں مرحلے مرگ و وصال کے
اب تیرے کرم پر ہے ہمارا نصیب آ

اتنے قریب آ کہ کوئی فاصلہ نہ ہو
بجھنے کو آ گیا ہے دلِ ناشکیب آ

اعجازِ کُن بھی تو نے عطا کر دیا مجھے
دیتا ہوں میں حساب اے میرے حبیب آ

لوٹا رہا ہوں آج میں تحریرِ ازل کو
یہ آخری گھڑی ہے زرا اور قریب آ

نکتہ شناس دل کی قدر کرتے ہیں عارفؔ
آ تجھ کو دکھاتا ہوں میں میرا نصیب آ

غزل

نفلی نماز روزے عبادت ضرور ہیں
یہ باعثِ برکت ہیں شریعت کا نور ہیں

کاہل تیرے وجود پہ طواف ہے مشکل
جاتے ہیں وہی حج کو جو اہل شعور ہیں

منکوں کی ہیر پھیر سے ملتا نہیں خدا
تسبیحِ دل کے منکے مقامِ حضور ہیں

کعبہ میں نہ مسجد میں نہ سجدے میں ملے آپ
دل کے بہت قریب ہیں آنکھوں سے دور ہیں

ہر سانس میں محبوب کا دیدار ہوا ہے
ہستی جلا کے خاک میں بیٹھے ہیں طور ہیں

حاصل ہوا ہے عشق میں عرفانِ ذاتِ حق
عارفؔ خیالِ یار میں ہم پُر سرور ہیں

غزل

علم اور اخلاص کا جوہر قناعت میں ملا
سچ کہوں انسان کو رُتبہ محبت میں ملا

کیا سناؤں حال اپنے خواہشوں کے شہر کا
ہم پریشاں تھے کہ ہر کوئی مصیبت میں ملا

کس قدر عیار ہے دُنیا کی صحبت کا اثر
کفر کا فتویٰ ہمیں دنیائے کثرت میں ملا

شغلِ دنیا سے ہمارا میکدہ اچھا رہا
لطف جینے کا ہمیں مستوں کی جنت میں ملا

ترک جب ہم نے کیا نفاق اور شکوے گلے
ہم کو اپنا راستہ عرفانِ الفت میں ملا

نیتِ اخلاص میں تعمیر کرلی خلد کی
اور مرے اعمال کا سایہ شرافت میں ملا

خیر وشر عارفؔ نے دیکھا شیشۂ افکار میں
اک تماشہ ہر گھڑی انساں کی صورت میں ملا

غزل

بے فکر عبادت بھی حماقت سے کم نہیں
بے مصلحت بیان شرارت سے کم نہیں

خلوت نشین عشق سلامت رہے ترا
جینا حسد سے دور عبادت سے کم نہیں

صبر وسکون میں ہے ترے مرتبہ کا راز
شیوہ رضا کا عشق و محبت سے کم نہیں

تقویٰ ترے اعمال کی تاثیر میں ضم ہو
تقویٰ رضا میں سّرِ عبادت سے کم نہیں

گر ظاہر و باطن میں ہے اخلاص کا فُقدان
یہ جوہر نفاق ہے ذلت سے کم نہیں

اس عالم نزع میں عیش و نشاط کیا
دو دن کی زندگی بھی مصیبت سے کم نہیں

عارفؔ کی محبت کا تقاضا ہے وصلِ یار
دیدار کا کمال بھی قسمت سے کم نہیں

غزل

جب میں چلا خدا سے جدائی ملی مجھے
جب دل چلا تو ساری خدائی ملی مجھے

لمحے نصیب ہیں مجھے دیدار یار کے
ائے عشق عمر بھر کی کمائی ملی مجھے

محبوب کی مرضی کے مطابق ڈھلا ہوں میں
ہر قیدِ مکانی سے رہائی ملی مجھے

جنت ہے نہ حوریں ہیں نہ ہی کوثر و تسنیم
جب آنکھ کھلی قبر کی کھائی ملی مجھے

دے کر طلاق نفس کو تیری تلاش کی
در تک ترے مشکل سے رسائی ملی مجھے

فردوس سے افضل ہے مری آہِ نیم شب
عارؔف ازل سے آہ سرائی ملی مجھے

غزل

زاہد کبھی چھوٹی ہوئی جنت نہیں بھولے
حوروں کی تمنا میں عبادت نہیں بھولے

دیوانے کسی بات پہ راضی نہیں ہوتے
ازلی شہید شوقِ شہادت نہیں بھولے

مت پوچھ دل کا حال تجھے دیکھنے کے بعد
خود کی خبر نہیں تری صورت نہیں بھولے

ہم نفس فراموش ہیں اور بے وجود ہیں
دل بن چکے ہیں دل کی حقیقت نہیں بھولے

ہیبت کبھی حیرت کبھی طاری ہے عشق میں
عارؔف ترے دیدار کی حسرت نہیں بھولے

غزل

ساقی تری شراب میں کتنا سرور ہے
اک ایک بوند علم ہے حکمت کا نور ہے

کرتا ہوں میکدے میں وفا کا مطالبہ
زاہد تری کتاب کا کس کو شعور ہے

ہر ایک رند صاحبِ روشن ضمیر ہے
زاہد شرابِ عشق کی نعمت سے دور ہے

تعلیم و تلقین ہے اسرار و کشف ہے
واللہ چشمِ یار عبادت کا نور ہے

طبقات ومنازل ومقامات کے احوال
زاہد ترے حرم کے اُجالوں سے دور ہے

غزل

اے فقیر غم فنا کی بات کر
برزخ ذات خدا کی بات کر

مشعلِ نورِ یقیں روشن رہے
انجمن میں مصطفیٰ کی بات کر

نفس کو کلمہ پڑھا مومن بنا
عشق میں فقر وفنا کی بات کر

کر نفی اثبات اسمِ ذات سے
جان کر سیفِ دعا کی بات کر

تو اگر معمورِ باطن ہوگیا
بزم میں قلبِ صفا کی بات کر

ہر بلا میں آزمالے تو مجھے
پھر یہاں عارفؔ خدا کی بات کر

غزل

زمین و آسماں جلوہ ہے تیرا
یہ انساں کچھ نہیں نقشہ ہے تیرا

دل وجاں میں ہے اک پوشیدہ نکتہ
الف کا آئینہ چہرہ ہے تیرا

مرے وہم وگماں سے دور ہے تو
مگر دل میں رخِ زیبا ہے تیرا

تجلی ہر گھڑی ہوتی ہے دل پر
میرا دل، دل نہیں موسیٰ ہے تیرا

مری جاں تو ہے میری آرزو تو
یہ میرا تن نہیں کعبہ ہے تیرا

معطر جان ہے زُلفوں سے تیری
مرے ایمان میں چہرہ ہے تیرا

اَنــــا سے تو فنا سے میں ہوا ہوں
اے عارفؔ کون ہے تو کیا ہے تیرا

غزل

دیکھنا ہے گر خدا کو باطن و ظاہر میں دیکھ
تو نکل جا گھر سے باہر اور خدا کو گھر میں دیکھ

یہ زمین و آسماں کو شرف حاصل ہے مگر
میں وہ صوفی ہوں جسے تو عشق کے جوہر میں دیکھ

تجھ کو اندازہ شرابِ عشق کا ہوجائے گا
لی مع اللہ کی حقیقت کو مرے ساغر میں دیکھ

میں نے مانا عشق کیا ہے رمزِ بحرِ لازوال
ایک کی مانند بن کر ایک کو ستّر میں دیکھ

عارفؔ حق تو قریبِ کبریاء ہے دیکھ لے
نور جو شیشہ میں ہے وہ نور شیشہ گر میں دیکھ

غزل

میں کچھ نہیں ہوں ذرۂ صحرائے عشق ہوں
لیکن میں دو جہاں میں تماشائے عشق ہوں

اللہ کے سوا سے ہے پوشیدہ میرا حال
قطرہ میں نظر آتا ہوں دریائے عشق ہوں

مجھ کو بدن سمجھ کے نہ کرنا کبھی مذاق
میں ذات ہوں میں رمزِ تقاضائے عشق ہوں

مجنوں کی تمنا میں فقط ایک راز ہے
دیکھا نہیں وہ مجھ کو میں لیلائے عشق ہوں

ناداں نقابِ کفر میں پوشیدہ ہے ایماں
ایماں مری فنا، میں تجلائے عشق ہوں

یہ زندگی ہے کفر تو ایمان موت ہے
میں موت میں رقصاں و تماشائے عشق ہوں

منصور کے انجام نے عارفؔ سے یہ کہا
دیوانہ ہوں دیوانہ شناسائے عشق ہوں

غزل

کفر کو چھوڑ کے ایمان کا پانا مشکل
اپنی میت پہ نماز آپ پڑھانا مشکل

زندگی اک تماشہ ہے سمجھنا دشوار
موت اِک راز ہے اس راز کا پانا مشکل

ذات کو اپنی فنا کرنا نہیں ہے آساں
بس یہی بارِ امانت ہے اُٹھانا مشکل

دین و دنیا سے بھی آزاد رہا کرتا ہے
رہبرِ روح کہاں ہے یہ بتانا مشکل

دل ازل سے ہی مرامستِ مئے عشق رہا
حشر تک اب تو مرا ہوش میں آنا مشکل

کیسی زنار پڑی ہے کہ نہ ٹوٹی عارفؔ
توڑ کر آئینہ صورت کا دِکھانا مشکل

غزل

شیخ کی تسبیح تو ممنون ہے زُنار کی
ذکرِ قلبی کیا ہے کہ صورت ہے میرے یار کی

لکھ نہیں سکتا کوئی کاتب عبارت میں تجھے
اور اشاروں میں نہیں صورت کوئی اظہار کی

پڑھ لیا صورت کو تُو معنیٰ سے لیکن بے خبر
دل ترا نفاق میں ہے عقل ہے عیار کی

آج کیوں تم محفلِ رنداں میں آئے شیخ جی
مئے نہیں ہے، یہ دوا ہے، ہر دلِ بیمار کی

نالۂ زنجیر مجنوں سے بہک جاتا ہے دل
دامنِ لیلیٰ سے آئی مجھ کو خوشبو یار کی

میں طبیب وقت کو نابینا یوں دکھنے لگا
عشق نے بینا کہا اور عقل نے تکرار کی

تم نے عارفؔ کی حقیقت کو مجازی کردیا
ہو نہ ہو اس قول میں ہے مصلحت سرکار کی

غزل

فلسفی کو حال میرا فلسفہ لگنے لگا
میں حقیقت کہہ گیا ان کو برا لگنے لگا

فکر کیا ہے سرِّ وحدت مولوی ہے بے خبر
پیرہن لیلیٰ کا مجنوں کو خدا لگنے لگا

راز ہے سینے میں اور حکمِ زباں بندی بھی ہے
چپ رہو تم ساری دنیا کو برا لگنے لگے

عکس ہوں میں آفتابِ جاں کا میں تو میں نہیں
میں نہیں میں مجھ کو میرا میں انـــا لگنے لگا

وہ جلالی یا جمالی ہو تجلی پھر دکھا
آج کل یہ دل ہمارا طور سا لگنے لگا

لطف میں بھی خیر میں بھی ہے صفاتِ حق نہاں
دیکھئے عارفؔ کو عکسِ کبریاء لگنے لگا

غزل

زباں تن ہے خموشی جان ہے دانہ ہے اے ناداں
خموشی کیا ہے کہ گفتار کا معنیٰ ہے اے ناداں

تری تحریر اور تفسیرِ لفظی بے حقیقت ہے
خدارا پڑھ لے عینِ عشق کو اچھا ہے اے ناداں

ترے قد میں تری رفتار میں جلوہ اسی کا ہے
تو آئینہ نہیں ہے عکسِ آئینہ ہے اے ناداں

نہیں شیشی میں خوشبو مشک میں پوشیدہ رہتی ہے
تو یہ سمجھا معطر مشک کا جامہ ہے اے ناداں

کبھی رونا، کبھی ہنسنا، کبھی آہیں، کبھی حیراں!
محبت کا ہزاروں رنگ میں جلوہ ہے اے ناداں!

تری بے ہوشی حیراں ہے تری حالت پہ اے ظالم
تری انسانیت بھی تجھ سے شرمندہ ہے اے ناداں

فنا کی گھاٹ سے عارفؔ کو یہ آواز آتی ہے
یہ تیرا جسم کیا ہے بس تری دنیا ہے اے ناداں

غزل

نفس حیوان تھا انسان بنایا میں نے
سخت مشکل سے مسلمان بنایا میں نے

یار تھا جام تھا لب پر مِرے توبہ، توبہ!
توڑکر توبہ کو ایمان بنایا میں نے

شوخ آنکھوں میں عبادت کا نشہ دل میں رِیا
آ کے دنیا میں یہ سامان بنایا میں نے

دیکھ ابلیس خطا میری خطا ہے اعزاز
دیکھ اس شرف کو انسان بنایا میں نے

بے خبر تھا کہ پتہ میرا مرے گھر میں ملا
خود کو پاکر تجھے مہمان بنایا میں نے

دور سے آتی ہے آوازِ جرس کیا کہنا
راز ہے راز کو آسان بنایا میں نے

عقل جبرئیل ہے اور عشق ہے رف رف عارفؔ
آج معراج کا ارمان بنایا میں نے

غزل

دیکھنا ہے تو اٹھو خود سے بھی اونچا دیکھو
نفس ملعون ہے ہرگز نہیں نیچا دیکھو

وسوسہ عشق کے رستے کا ہے رہزن بھائی!
عکس سے آگے گذر کر ذرا شیشہ دیکھو

آج بھی دل پہ اترتا ہے وہ پیغامِ سروش
آئینہ دیکھ لیا ذات کا چہرہ دیکھو

دل کی فریاد ہے کیا دردِ محبت کی گواہ
جسم کہتا ہے ذرا روح کا رونا دیکھو

میں یہ کہتا ہوں کہ عالم سے منزہ ہے تو
دل یہ کہتا ہے کہ عالم میں تماشا دیکھو

ننگ وناموس کی دنیا نہیں دل کی دنیا
تم کبھی خود کو فنا کرکے یہ دنیا دیکھو

کتنی ظالم ہے یہ دنیا کی محبت عارفؔ
تم بھی آئے ہو تو چند روز تماشا دیکھو

غزل

الوداع ائے عقل ہم جاتے ہیں راہِ عشق میں
قافلے عقلوں کے تھم جاتے ہیں راہِ عشق میں

دل نگاہِ ناز کا گھائل اسے مرہم کہاں
ہر گھڑی مرمر کے ہم جاتے ہیں راہِ عشق میں

کون کرتا ہے یہاں مرنے تڑپنے کا نشہ
ہوش کے دیوانے کم جاتے ہیں راہِ عشق میں

شکر ہے دارِ غضب میں لطف کا ہے اہتمام
ہم سے پہلے درد وغم جاتے ہیں راہِ عشق میں

آہ کرنا بھی خطا ہے عشق کی سرکار میں
سر کے بل ہم بے قدم جاتے ہیں راہِ عشق میں

عقل کی کیا بات عارفؔ عقل خود محتاج ہے
ہوش کے پر جل کے تھم جاتے ہیں راہِ عشق میں

غزل

عقل و دل ہیں حجاب میں دونوں
غوطے کھائے شراب میں دونوں

یہ نشہ کا کمال ہے ساقی
ہم ملے ہیں نقاب میں دونوں

نفس اور عقل کو خدا بخشے
ورنہ یہ ہیں حساب میں دونوں

میں ترا حکم ہوں جدا تو نہیں
ورنہ کیوں ہیں کتاب میں دونوں

حجرِ اسود میں راز ہے کس کا
کس لئے ہیں حجاب میں دونوں

ہو چکے ہیں صفات سے ظاہر
ذات سے ہیں نقاب میں دونوں

جلوۂ طور یاد ہے عارفؔ
دل نظر ہے خطاب میں دونوں

غزل

اُلجھ کے دیر وحرم میں ہوا گناہ مرا
قصور میرا یہی ہے خدا گواہ مرا

ابھی ابھی تو ہوا وارِ خنجرِ قاتل
ابھی ابھی تو ہوا کارواں تباہ مرا

غرض نہ دل کو نہ مسجد نہ میکدے سے ہے
کہ بے نیازی میں بس یار ہے گناہ مرا

دل ونظر کی کہاں تربیت ہے مکتب میں
یہ دل ازل سے ہے بیمارِ خانقاہ مرا

حجابِ صورتِ انساں غبارِ جسمی ہے
وجودِ حضرتِ انساں ہے بے پناہ مرا

جمالِ حسنِ جہاں بھی کمال ہے عارفؔ
سمجھ میں آتا نہیں مقصدِ نگاہ مرا

غزل

خودی کا راز خدا میں تلاش کرتے ہیں
خدا کو اپنی **اَنــا** میں تلاش کرتے ہیں

وفا کو ہم نے دعائے خلیل میں دیکھا
یہ لوگ میری قباء میں تلاش کرتے ہیں

نہیں ہے غیر، نفی غیر کی نہیں ممکن
ثبوت اپنی فنا میں تلاش کرتے ہیں

جوان تجھ کو جوانی میں ڈھونڈتے ہوں گے
حسین ناز و ادا میں تلاش کرتے ہیں

فنا کے شہر میں بے گانگی بہت اچھی
اثر کو ہم بھی دعا میں تلاش کرتے ہیں

حیات و موت بھی اس کا کمال ہے عارفؔ
یہ راز ہم تو وفـــا میں تلاش کرتے ہیں

غزل

قیس کی آنکھوں پہ حائل پردۂ لیلیٰ نہ تھا
جس کا دیوانہ تھا مجنوں وہ اسے دیکھا نہ تھا

ایک ننھا سا دیا سینے میں روشن ہوگیا
تن چمک اُٹھا مرا ظلمات کا پردہ نہ تھا

آ گیا اک مدرسہ جب میکدے کے روبرو
مئے نہ تھی ساقی نہ تھا ساغر نہ تھا شیشہ نہ تھا

پیچ و خم ہیں ان کی زُلفوں میں مری تقدیر کے
کھل گئیں زُلفیں تو یہ دیکھا کہ میں میرا نہ تھا

نغمہ اور مئے سے فقیہِ شہر نے روکا مجھے
نَفَختُ کے راز سے واقف نہ تھا دانا نہ تھا

یہ جنوں اچھا ہے حق ہے آشنائے دل ہے یہ
دل خدا کا گھر ہے عارفؔ دل مرا تنہا نہ تھا

غزل

تماشہ عشق کا ہر شئی میں خود وہ دیکھتا ہوگا
حسینوں کی اداؤں میں جمالِ کبریا ہوگا

کہاں چلتا ہے زورِ عقل ملکِ لازوالی میں
خدا کہتا ہے بندے کو یہ بندہ کب خدا ہوگا

خدا کہتے ہیں جس کو ماورائے دونوں عالم ہے
گذر جائیں اگر خود سے تو پھر بھی فاصلہ ہوگا

مرا سرمد مجھے گدڑی کبھی چھونے نہیں دیتا
نہیں معلوم اس ادھڑی ہوئی گدڑی میں کیا ہوگا

بتاتے ہیں یہ پیلے، پیلے، چہرے اشکبار آنکھیں
خدا کی جستجو میں کس قدر رونا پڑا ہوگا

سیاہی میں ہے پوشیدہ ترے انوار کا دریا
اسی دریا کا عارف نے بھی قطرہ پی لیا ہوگا

غزل

حیرت میں کام آتا نہیں ہے خضر کبھی؟
کیوں آگ میں بنائے گا جل جل کے گھر کبھی؟

آبِ حیات حاصلِ آبِ حیات کیا؟
گر جاننا ہے شیخ تو پی پی کے مر کبھی؟

تنہائی حق ہے حق سے بہت دور خلق ہے
یہ بزم چھوڑ چھاڑ کے خود سے گذر کبھی؟

رازِ خودی انـــا ہے تری بےخودی فنا
دیکھا نہیں خودی میں یہ ناداں بشر کبھی؟

گر علمِ علمِ غیر ہے مائل بہ غیر ہے
نمرود کا انجام بنا ہے ہنر کبھی؟

فانی جہان ہے یہ ترے جسم کی طرح
یہ جسم اور جہان سے ناداں گذر کبھی؟

یہ ''نہ، و، ہاں'' نہیں، ہے یہی رازِ غیب ہے
عارف یہ جاننا ہے تو دے اپنا سر کبھی؟

نوٹ: نہ، و، ہاں سے مراد ہست ونیست ہے ۔

غزل

عشق کی محفل میں دل کی بات کرنا چاہئے
دل کو پانے کے لئے خود سے گذرنا چاہئے

کیسے کیسے دن دکھاتا ہے مرا دیوانہ پن
ہوش سے کہتا ہے تجھ کو ڈوب مرنا چاہئے

کارسازانِ ازل سے میں نے پوچھا عشق کیا؟
یہ جواب آیا کہ تن سے سر اترنا چاہئے

میں مری تصویر سے پوچھا یہ نیرنگی ہے کیا
مجھ سے یہ تصویر بولی خون بھرنا چاہئے

اختلافِ ''من وتُو'' کے راز کو سمجھا نہیں
جاننا ہے گر تو گھر پانی میں کرنا چاہئے

روحِ شمعِ زندگی خاموش کیوں ہونے لگی
میں نے شاید راز کھولا مجھ کو مرنا چاہئے

ظلمتوں کا ہم کو شکوہ ہے ہماری ذات سے
ذات سے آگے ذرا عارفؔ گذرنا چاہئے

غزل

کعبہ یہ میکدہ ہے شرابِ طہور پی
توبہ کو توڑ تاڑ کے ائے لاشعور پی

ائے نامراد ناصحا پینا ثواب ہے
چل غرق کرکے مئے میں **انا** کا غرور پی

پوچھو نہ مجھ سے کون ہے ساقی ولی مرا
کہتا ہے میری روح سے جامِ سرور پی

یہ جام و بادہ قطرۂ دریا کی طرح ہے
آتی ہے صدا بادۂ وحدت ضرور پی

تو ہے کہ نہیں گر یہ سمجھ میں نہیں آتا
عارفؔ نکل کے خود سے فنا کا سرور پی

غزل

دیوانگی کا جرم کیا ہوں میں کیا کروں
ہونا نہیں تھا ہو کے خطا ہوں میں کیا کروں

آزاد بھی نہیں ہوں میں تکلیفِ شرع سے
پابندِ حکم بن کے گھرا ہوں میں کیا کروں

دل مادرِ گیتی کی محبت میں گرفتار
بیٹا ہوں مگر ماں پہ فدا ہوں میں کیا کروں

غفّار کو معلوم ہے یہ میری خطا بھی
میں حکمِ ازل مان رہا ہوں میں کیا کروں

خوشبوئے یار آنے لگی مشرقِ جاں سے
واللہ میں مغرب میں پڑا ہوں میں کیا کروں

میں ربِّ اَرِنـــــــی کہہ کے گنہگار ہو گیا
ہر بار لـن تـرا نی سنا ہوں میں کیا کروں

ہے دلبرِ دل، طفل کی مانند اے عارفؔ
بازیٔ عشق کھیل رہا ہوں میں کیا کروں

غزل

عشقِ ازل کا راز ہر اک شئی میں چھپا ہے
ہر شئی خدا نہیں ہے مگر رمزِ خدا ہے

پروانہ شمع بلبل وگل رازِ وفا ہے
ظلمات ونور تیری مشیت کی ادا ہے

قدسی مقامِ قدس سے کیا دیکھ رہا ہے
تیرا ہی درد میری محبت کا صلہ ہے

اے عشقِ خوش مزاج تو فطرت کی دین ہے
مجنوں میں تو جنون ہے لیلیٰ میں ادا ہے

جس مرض کو سمجھے نہ فلاطوں و ارسطو
وہ مرض ازل سے ہی مرا درد بنا ہے

ہر آدمی ہے نخوت و ناموس کا غلام
اس دور میں عارفؔ ترا جینا ہی سزا ہے

غزل

عشق سے قیس بنا درد سے قدسی کا ضمیر
نور سے تیرے بنی ہے مری جاں کی تصویر

دل کی آہوں سے بنا کرتا ہے عاشق کا مزاج
کفر اور دین ہے کیا؟ علم ویقیں کی تدبیر

درد اک مرض ہے اور مرض ہے یہ خود ہی طبیب
درد کیا ہے کہ مریضانِ ازل کی جاگیر

ذرۂ درد کو جب طور نہیں سہہ سکتا
اس امانت کو سنبھالا ہوں میں انسانِ حقیر

قیدِ صورت میں مقید تو نہیں ہے عارفؔ
عشق آزاد ہے ہر شکل میں ہے جلوہ گیر

غزل

پیر جس کو چاہتا ہے وہ نوازا جائے گا
عشق کی بازی میں ورنہ سر اُتارا جائے گا

شکر ہے مسجد میں زاہد سر بچا کر لے گیا
منزلِ توحید میں آیا تو مارا جائے گا

کس لئے امید اپنے غیر سے رکھتا ہے تو
خود کے اندر ڈوب جا حق میں اُٹھایا جائے گا

ٹوٹنے کے بعد ہی انمول ہو جاتا ہے دل
دل کی مٹی سے نیا کعبہ بنایا جائے گا

چھوڑ دے اپنی انـــا فرعون بن جائے گا تو
بے انـــا ہو جا تجھے انساں بنایا جائے گا

ڈھل رہی ہے عمر عارفؔ میکدے میں آ کے بیٹھ
تو پرانا ہے نیا تجھ کو بنایا جائے گا

غزل

کر رہا ہے مجھ سے میری جیسی بات
میں نہیں ہوں غیر میں ہوں تیری بات

آنکھ کو دیدار کے قابل بنا
کن فکاں کا راز ہے یہ میٹھی بات

لی مع اللہ سے فرشتہ بے خبر
یہ ہے میرے گھر کی میرے دل کی بات

جان دے کر یار کے قابل ہوا
جان دینا ہے کہاں معمولی بات

صورتِ ظاہر ہے کیا کہ تو ہی تو
صورتِ باطن ہے اس کے گھر کی بات

عارفؔ وحدت سے پوشیدہ ہے کیا
فاش کیسے کردوں تیری میری بات

غزل

بیٹھ کر سانسوں کے دستر خوان پر
کر رہا ہے ظلم اپنی جان پر

روح کو تازہ غذا ملتی نہیں
تف ہے! اے دنیا ترے پکوان پر

روح کیا ہے کچھ نہیں، دل کی ضیاء
یہ وحی آتی ہے میری جان پر

مئے نہیں ہے مئے تو ہے آبِ حیات
شک نہ کرنا رند کے ایمان پر

آتی جاتی سانس میں ہے عشق تو
عشق حجت ہے ترے قرآن پر

آشنا مفتی نہیں ہے قلب سے
دے دیا فتویٰ مری پہچان پر

اپنے عارفؔ کو حیاتِ صبر دے
یا اتر آ تو ہی میری جان پر

غزل

سر میرا ہے سجدے میں یہ سجدہ وصال میں
جلوہ ہے تو جواب میں معنٰی سوال میں

دوئی مٹا کے آجا نظر ذات ذوالجلال
ظاہر جلال میں ہے تو باطن جمال میں

میرے ہی ساتھ گنجِ خفی کا بھرم کھلا
اقرار سے یہ قال ہے تصدیق حال میں

شعشۂ طور کچھ نہیں موسیٰ یہ تن خاک
ارنی ولن ترانی معمہ ہے حال میں

ذات وصفات ایک ہیں الفت میں جلوہ گر
تو ہے الف و نون، الف کے کمال میں

تعریف و عبادت تو ادا ہو نہیں سکتی
بہتر ہے ڈوب جاتے ہیں ان کے خیال میں

عارفؔ نبی کو دیکھ تو اپنی ہی جان میں
بس حق ہی حق ہے غیر نہیں ہے جمال میں

غزل

جب ابرِ فیض شق ہوا فلک شہود پر
میں تھا زمیں پہ عرش سے اونچا تھا میرا سر

مجھ پر بہار آئی ہے دیدار و وصل کی
پوچھو نہ مجھ سے آج مری روح کا منظر

کیا کہہ رہے ہیں سنئے ذرا بلبلانِ شوق
نغمات سے افسانہ ہوا حسن سرائر

گر بھڑکے آگ عشق کی اسرارِ قلب میں
جلتے ہیں عقل وفکر کے خاموش بال و پر

اس رہ میں گم ہوگئے عقلوں کے قافلے
عرفان کی وادی میں ہے مجنوں بھی بے ہنر

اک بار مرے دل سے گذر ہیبت جلال
مجھ کو جلادے طور کی مانند سراسر

رحمت نے تری خاک کو عارفؔ بنادیا
ترک مکاں کیا تو ملا لامکاں کا گھر

غزل

کشتی ہے عزائم کی بھنور میں نکال دے
یا پھر جلا کے خاک کو ہیبت میں ڈال دے

مانا کے ترے حق کے موافق نہ قدر کی
نسبت کو دیکھ فیض کے چھینٹے اچھال دے

جو تجھ کو چاہتا ہے اسی کا ہوا ہے تو
مجھ کو بھی لے چکا ہے مجھے اپنا حال دے

میں عشق کی موجوں کے تلاطم میں آ گیا
مرضی ہے تری مجھ کو ڈبویا نکال دے

مجھ کو عطا کیا ہے تری دوستی نے صدق
اس خاک کو جمال دے یا پھر جلال دے

میں بادۂ الست کے مستوں میں رہوں گا
واعظ تو میرا غیر ہے اس کو نکال دے

کتنے ہی طور جل گئے عارفؔ نگاہ سے
میں پیکرِ خودی ہوں لباسِ جمال دے

غزل

چشمِ عبرت سے ہی کھلتے ہیں یہاں اسرارِ یار
تو بھی ہے اور وہ بھی ہے ممکن نہیں دیدارِ یار

زندگی تو ہے ادھوری موت کو کامل بنا
جان کی جنت میں ہے پوشیدہ تیرا یار، یار

کس قدر اسرار ہیں آفاقِ دل میں دیکھ لے
دل جسے کہتے ہیں یہ وہ دل نہیں دلدارِ یار

بے یقیں سمجھے گا کیسے نکتۂ ادراک کو
ہے مجازی خلد میں زلف و لب و رخسارِ یار

خدمتِ مرشد یہاں سنت وہاں فرضِ ازل
چھوڑ دے دنیا کو یہ دنیا تو ہے مردارِ یار

آرزوؤں نے تجھے غافل کیا تو سو گیا
حشر تک تجھ کو کرے گا کون اب بیدارِ یار

تھام لے مضبوط حلقہ ھو کا عارفؔ قلب سے
دیکھ تیرے سر پہ تیری موت ہے تیارِ یار

غزل

اللہ کی جانب یہ سفینہ رواں ہوا
ایمان میری شکل میں پل کر جواں ہوا

مقصد مری حیات کا حاصل ہوا مجھے
طاعت پہ مرا عشق بہت مہرباں ہوا

دریائے معرفت کا میں غواص ہوگیا
میرا نصیبا آج کہاں سے کہاں ہوا

وہ جس کو چاہتا ہے وہی منتخب ہوا
وہ جس کو چاہتا ہے وہی کامراں ہوا

حملہ تو کیا کرتی ہیں جذبات کی فوجیں
خود کے خلاف لڑنا عجب امتحاں ہوا

جکڑا نہیں زنجیر میں فرعونِ نفس کو
زاہد ہے کہ مسجد میں مگر سجدہ خواں ہوا

اجر و عذاب دونوں ہیں عبرت کی سزائیں
عارفؔ یہی اچھا ہے کہ تو بے نشاں ہوا

غزل

غفلت ہی موت ہے، ترا دیدار زندگی
تو ہی نہیں ہے جس میں وہ بے کار زندگی

صدیق کی صحبت ہے عبادات سے افضل
صحبت سے شفاء پاتی ہے بیمار زندگی

فاسق سے بری شئ ہے یہاں صحبت فاسق
کیوں جی رہا ہے یار گنہگار زندگی

لعنت ہے راہِ فقر میں دنیا کی محبت
بس فقر سے ہوتی ہے وفادار زندگی

کون و مکاں کا راز جمال و جلال ہے
اس راز سے واقف نہیں غدار زندگی

عارفؔ سخی، شفیق، و تواضع پسند ہے
جنت ہے ترے واسطے اے یار زندگی

غزل

جب تک صفات حق سے متصف ہوا نہیں
عالم تو بن چکا تھا وہ عارف بنا نہیں

اعمال سے تو آتی ہے فردوس کی خوشبو
ہیبت کے سوا عشق میں کچھ بھی ملا نہیں

سانسوں کی معرفت ہی عبادت کی جان ہے
عابد حرم میں تیری خودی کا خدا نہیں

عارف و معارف ہے تو قطرہ و سمندر
اک ہوں تو، دونوں ایک ہے کوئی جدا نہیں

مقبولِ بارگاہ خدا کی اُمید ہے
بدبخت گنہگار کا دعویٰ نیا نہیں

غمگین خموشی مری گدڑی کا راز ہے
اللہ کا کرم ہے میں ظاہر ہوا نہیں

دونوں جہاں سے دل تو مرا سرد ہو چکا
اک آخری دھاگہ ہے مگر ٹوٹا نہیں

غزل

توحید میں حیرت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
اور عشق میں ہیبت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

دیوانگیٔ قیس نے ظاہر کیا یہ راز
یہ علم تو غیبت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

تسبیح کے دانوں کو گنا کرتا ہے زاہد
سانسوں میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

زندہ ہے اگر دل ترا، انوارِ یار سے
دل کیا ہے، رویت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

جب رازِ **لاالٰہ** کو سمجھا تو یہ جانا
دنیا میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

صبح کی رات، رات کی صبح نہیں ہوئی
یہ عشق حرارت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

اُستاد کے بغیر وہ عارف کو سکھایا
بس علم، معرفت کے سوا کچھ بھی نہیں

غزل

باطن کا علم غیب ہے توحید لقاء ہے
جا کر فنا میں دیکھ فنا تیری بقاء ہے

نیکی ہے جان جسم بدی کا مکان ہے
کیوں پردہ شر کا خیر کی آنکھوں پہ پڑا ہے

گر علم ہی مطلوب ہے اک حرفی نام پڑھ
اس نام کے نقطہ سے ہی قرآن بنا ہے

سانسوں میں تو لقائے الٰہی کا ذکر کر
کہتے ہیں جس کو فکر وہی تیری فنا ہے

دیدار کے خاطر ہے عبادت کا سلیقہ
دیدار کے بغیر تو جینا بھی سزا ہے

عارفؔ ترے باہر تو ہیں بس کُن کی بہاریں
اک ملک لازوال ہے باطن میں چھپا ہے

غزل

خلد سے، محبوب ہے لطف و کرم
قرب کا لیکن نہیں ہے تجھ کو غم

ذکر اور تسبیح سے ہے تر زباں
دل صنم خانہ ہے تیرا تو صنم

راہِ حق میں مصطفیٰ کے ساتھ چل
نورِ حق ہیں نور ہیں شاہِ امم

علم کو تو بیچ کر کیا پا لیا
ہو چکا فرعون کی دنیا میں گم

دولت دنیا کا طالب ہے لعیں
پھر بھی ناداں کو ہے جنت کا بھرم

عشق میں جب کُن کے عقدے کھل گئے
عرش سے آگے اٹھا میرا قدم

حالِ دل عارفؔ بیاں کرتے نہیں
کھینچ دے گا دار پر شیخِ حرم

غزل

آدمی دانا نہیں نادان ہے
من وتو کے شہر میں انجان ہے

میری نادانی ہے میرا عین علم
مدعیٔ علم کیا؟ شیطان ہے

تو اُدھر سے آ اِدھر سے میں چلوں
دیکھنا منزل بہت آسان ہے

درد تیرا کس قدر نایاب ہے
درد سے زندہ ہوں زندہ جان ہے

دیکھ لے آ کر اے جانِ جاں مری
بس ازل سے اک یہی ارمان ہے

تشنگی ہے آ پلادے ساقیا
رند تیرا بے سرو سامان ہے

کچھ تو پروانے فرشتے ہوگئے
ایک شمع اور اک انسان ہے

ان کے خاطر قربتوں کے جشن ہیں
میرے خاطر حشر کا میدان ہے

ہوگئی عارفؔ جنوں سے ساز باز
تیغ بھی ہے سر بھی ہے ارمان ہے

غزل

ظاہر میں تو مجبور ہے مختار کسب میں
کیا تجھ کو نظر آئے گا بے عین عرب میں

کیا مقصدِ حیات ہے سمجھا نہیں ناداں
تھا کام مسبب سے تو اُلجھا ہے سبب میں

تو صرف خلیفہ ہی نہیں وارثِ مرسل
کیوں اپنا خدا ڈھونڈ لیا شعرو ادب میں

کیا تیری عبادت کا صلہ ترکِ کائنات
بے فکر ہے تو خود سے مگر فکر ہے رب میں

تہذیب و تمدن کی یہ تعمیر و اصلاح
خدمت معینِ حق کر گیا اس دارِ حرب میں

تکمیلِ بشریت میں خلافت سے کام لے
کیا پائے گا دنیا سے جدائی کے کسب میں

ہر چیز ہے آیات خدا گر نظر ہے پاک
کر احترام سب کا تو ڈھل جائے گا سب میں

اپنا تو ان کے پاس نہیں کچھ بھی اے عارفؔ
نادانوں کو ہے ناز حسب اور نسب میں

(حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ)

غزل

خودی و بے خودی احساس میں ہیں دونوں عذاب
کمال یہ ہے کہ پانی میں رہو مثل حباب

غرورِ زندگی اچھا نہیں فنا ہوجا
فنا ہے سرمد و منصور کے عرفاں کا شباب

ترے وجود کا تنکہ بھی اگر باقی ہے
خدا ہی بن کے وہ دیتا ہے خدائی کو جواب

انا بھی میری اگر ہوگئی خودی میں نیست
مری خودی ہی الٹ دیگی ترے رخ سے نقاب

خودی کو چھولیں تو جبرئیل کے پر جل جائیں
خودی نے کھول دیا عشقِ خداوند کا باب

فنا میں جا کے فنا ہوگئی خودی عارفؔ
خفی میں ڈھونڈ کہ ملتا ہے بے خودی کا جواب

غزل

ملکوت و جبروت کا لاھوت صنم ہے
کچھ اور بھی انسان کے ملبوس میں گم ہے

ہے برزخ جامع بھی اے انسان تری ذات
بس ظِلّ خدا صورتِ حق کا تو حرم ہے

عرفان ہر قدم پہ ترقی پذیر ہے
ایسے میں انا تیری جواں ہو تو ستم ہے

دو راہے پہ ہوتی ہے بڑی کشمکش ندیم
کیوں علم ترا نور و ظلمات میں گم ہے

پروانے دے چکے ہیں محبت کا امتحاں
زاہد کو ابھی مسجد و منبر کا بھرم ہے

تحقیقِ نور کیا ہے کہ عرفان کی معراج
تجھ کو ہے عناصر کا مجھے روح کا غم ہے

عارفؔ تو یہاں خود سے بھی آگاہ نہیں ہے
تیرے لئے محفوظ وہاں لوح و قلم ہے

غزل

روح بھی نور میں گم ہو تو مزہ آجائے
علم، عرفان میں ضم ہو تو مزہ آجائے

یہ کرامات و کمالات کی چلمن سے نکل
ہر طرف تو ہی صنم ہو تو مزہ آجائے

تیرے اسمائے صفاتی کا نظارہ دیکھا
سامنے ذات صنم ہو تو مزہ آجائے

چھوڑ تسبیح کو واعظ تو میکشی کر لے
ہاتھ میں جام و جم ہو تو مزہ آجائے

ان گنت تیرے لباسات مگر ایک وجود
میری ہستی میں تو ضم ہو تو مزہ آجائے

مولوی عقل سے توحید کو سمجھاتے ہیں
واجب وہست میں گم ہو تو مزہ آجائے

میں ازل سے ترے دیدار کا مشتاق رہا
اب اگر چشم کرم ہو تو مزہ آجائے

دیکھ ہر جان و ارواح کا مخزن عارفؔ
تجھ کو انسان کا غم ہو تو مزہ آجائے

غزل

مجھ سے بہت قریب مرا جان جاں رہا
ہے تو وہی مکین وہی لا مکاں رہا

عارفؔ سے فلسفی نے کیا اک عجب سوال
جب کچھ نہیں تھا کیسا خدا اور کہاں رہا

ناداں سے کہا میں نے کہ فطرت سے بہت دور
جلتے ہیں جہاں عقل کے پر، وہ وہاں رہا

ظاہر ہوا ہے تو بھی ارادۂ ازل سے
کیا جانتا ہے؟ جسم سے پہلے کہاں رہا

مجھ کو بتادے نیچری نیچر کا رنگ و روپ
نیچر کہاں سے آئی تو اس میں کہاں رہا

مانا اسی خدا کو تو نیچر کے نام پر
عارفؔ اگر ہے جسم خدا تیری جاں رہا

غزل

پردۂ میم سے احمد کو نکالا کس نے
میم احمد سے کیا جگ میں اُجالا کس نے

روز اک شان میں ڈھلتا ہوا مظہر بنکر
شرک غالب تھا تو حرمین سنبھالا کس نے

اپنی وحدت سے تجھے کس نے روشناس کیا
بے نیازی کی نظر قلب پہ ڈالا کس نے

یوں تو ہر شئی تری تاثیر کا آئینہ ہے
پیکرِ خاک کو آغوش میں پالا کس نے

میں بھی واقف ہوں ہر اک راز سے واقف تو بھی
گنجِ مخفی تھا یہی راز اُچھالا کس نے

آئینہ ہوں میں جمالِ جہاں آراء کی قسم
مجھ کو توحید کی دربار میں پالا کس نے

تھا کبھی عین تعین نہ صفات و نسبت
نسبتِ میم سے عارفؔ کو نکالا کس نے

غزل

مرحلہ طئے کر فنائے ذات کا
راستہ ہے سخت مشکلات کا

صورتِ عالم پہ رکھ گہری نظر
چاک کر خنجر سے دل ظلمات کا

دل کو زخم یار سے لذت ملے
یہ ہے پہلا سلسلہ سوغات کا

پھر عروجِ بام پر ہر شئی کو دیکھ
حق ہی حق ہے حق کے انعامات کا

ذرّے ذرّے میں نظر آئے گا وہ
فرق مٹ جائے گا ملبوسات کا

تہ تلک جا اےٴ غریق عشق یار
راز کھل جائے گا مصنوعات کا

مردِ مومن ہمت کامل سے ہے
یہ بہت شوقین ہے خطرات کا

حفظِ رتبہ گر نہیں عارفؔ یہاں
مستحق انساں ہے تعزیرات کا

غزل

روزہ نماز حج میں نہیں تھا خدا مگر
میں ڈھونڈتا ہی رہ گیا وہ دور تھا مگر

افسوس عمر گذری خدا کی تلاش میں
وہ تو نہ ملا خود کو میں خود پالیا مگر

اک مردِ خدا نے ہی بتایا مجھے وہ راز
منصور کی سولی پہ **انا** کون تھا مگر

کیا خاک سمجھا ناصحا الطافِ عشق کو
تو علم کے میداں میں مناظر رہا مگر

قدرت ہی عطا کرتی ہے انسان کو یہ غم
عارفؔ سے پوچھ سوز میں کیا ہے مزہ مگر

غزل

قرب حاصل ہے یا فراقِ دوام
اپنے اعمال کا عامل ہے امام

ہو رضائے خدا سے راضی تو
ورنہ حق کا غضب ہے تیرے نام

عقلِ ظاہر عمل کو کیا سمجھے
یہ نبوت کے نور کا ہے کام

تو شریعت کے راز کیا جانے
ہوش اور عقل شریعت کے غلام

گامزن شرع پر نہیں تو اگر
دیکھ ابلیس ہوگا تیرا امام

شرع برّاق ہے طریقت میں
ہے شریعت ہی شرافت کا امام

پاس عارفؔ کو ہے شریعت کا
اس میں پنہاں ہے نبوت کا مقام

غزل

صفات بشریت کیا ہے صفات حق کو اپنا لے
خلافت ہے یہی تیری یہ دنیا لے وہ عقبیٰ لے

یہاں توحید احسانی پہ پابندی نہیں لیکن
یہ دنیا چھوڑ کر علماء پہ رب سے دل کا حصہ لے

حجابات دہر اور لذتیں معدوم کر کے دیکھ
نکل کر دین کی حد سے احد میں جا خودی پا لے

حجاب اُخروی کشف و کراماتوں سے کیا ہوگا
شعور اپنا مٹا کر تو ازل کا اپنا حصہ لے

جلا کر فقر کی آتش میں اشیائے مجاز عارفؔ
حقیقت ہی حقیقت ہے تو حق بنکر خدا پا لے

غزل

ایک شخص کی تلاش ہے مجھ کو ملا نہیں
اتنے حسین شہر میں اِک دل جلا نہیں

وہ جو کہ مسلمان تھے قبروں میں سو گئے
اسلام کتابوں سے دلوں میں ڈھلا نہیں

کہتے ہیں کہ تقویٰ سے ہے بنیاد دین کی
بندہ ہے وہ مریض کہ جس کی دوا نہیں

گم کردہ راہ خود ہیں مگر رہبری کا شوق
عیارِ خانقاہ کا کوئی خدا نہیں

سوتے ہوئے قلوب جگائے گئے مگر
مُردوں کو کیا جگائیں کوئی فائدہ نہیں

گر ہو سکے تو مجھ کو شہر سے نکال دو
پھر میرے بعد تم کو کسی سے گلہ نہیں

جب آدمی کا آخری انجام قبر ہے
دنیا کی خواہشات سے دل کیوں بھرا نہیں

ستارِ میرے عیب کو لوگوں سے چھپا لے
عارفؔ ہوں فقط نام کا تجھ سے چھپا نہیں

قطعات

قطعات

❋

عاشقی کیا ہے مری جان کی بیماری ہے
جان میں عشق ہے تن کیا ہے سیہ کاری ہے
یہ مرا جسم ہے معشوق کے چہرے کا نقاب
بس جلادے کہ یہ پیوندِ گنہگاری ہے
تیری ہستی کے سوا اور مجازی کیا ہے
میری ہستی نہیں آئینے پہ زنگاری ہے
تونے دیکھا ہی نہیں شمس کے آئینے میں
وہ کوئی اور نہیں وہ مری خودداری ہے

❋

تونے گفتار و سماعت سے خدا کو جانا
میں نے دیکھا ہے اسے عشق کی ناداری میں
آج واعظ کو ہوا کیا ہے کہ پینے آیا
لغتِ خطرۂ مذہب تو ہے الماری میں
عشق کی شرح تو ممکن نہیں عارفؔ لیکن
وہ تو پوشیدہ ہے مجنوں کی گنہگاری میں

❋

میرے مکان پانچ ہیں جلتا ہے ایک دیا
حقدار میرے پانچ ہیں دیتا ہوں میں زکوٰۃ
قبلے بھی مرے پانچ ہیں میرے امام پانچ
سجدہ کہاں کروں میں پڑھوں کس طرح صلوٰۃ

❋

ترک دنیا نہ فقر آساں ہے
ڈوب جا کاسۂ گدائی میں
بس توکل میں ہے خدا تیرا
تیرا حصہ نہیں خدائی میں

❋

عزت و امارت کے طرفدار کہاں ہیں
کھنڈرات کی تاریخ بھی بوسیدہ ہوگئی
کتنی حسین صورتیں بگڑی ہیں خاک میں
عبرت کی آنکھ دیکھ کے رنجیدہ ہوگئی

اعمال شماری بھی ضروری ہے محتسب
تسبیح میں منعم کو گھمایا تو کیا کِیا

حامیِ غزالی ہے غزالی نہیں بنا
چلہ کشی میں کشف بھی پایا تو کیا کیا

شرطِ فنا کو بھول کے گدڑی سنبھال لی
کفنی پہن کہ خود کو سمجھتا ہے مرگیا

نادان فقر اور ہے بہروپ نہیں ہے
ٹکڑوں کے لئے کاسہ لیئے در بدر گیا

کسی کو کسی کی خبر ہی نہیں ہے
یہاں آنے والے فنا ہو چکے ہیں
اندھیرے میں شمس وقمر سو گئے ہیں
اُفق کے اُجالے فنا ہو چکے ہیں

جب بھی پڑھتا ہوں نظاروں کی کتاب
مجھ سے توحید کے اسرار بیاں کرتی ہے
اپنی عظمت کو فرشتوں سے چھپایا میں نے
میری مٹی ہی مرا راز عیاں کرتی ہے

کالی دنیا سے کیوں دل لگائیں گے ہم
رشتہ ظلمت سے کیسے نبھائیں گے ہم

رشتہ دارِ جہاں کیا ہیں ظلمت پرست
حق پرستوں میں ہیں حق سنائیں گے ہم

آگ ہی آگ ہے یہ جہانِ فریب
نور ہیں نور میں لوٹ جائیں گے ہم

❋

اہلِ دنیا ہیں کہ محوِ خواب ہیں
ہم مگر توحید میں غرقاب ہیں

دوست میرا دم بہ دم ہے دم نشیں
خاک پھینکو، ہم مگر مہتاب ہیں

دوستی کو کون سمجھا ہے یہاں
دوست ہیں لیکن بہت نایاب ہیں

دل لگی کو دل جلوں سے پوچھئے
بے سبب ہیں اور بے اسباب ہیں

❋

تن کی چادر کتنی میلی ہوگئی
مجھ میں میری اپنی صورت کھوگئی
کیا ملا اس راہِ اُلفت میں ہمیں
جان تو جانی تھی آخر کو گئی

❋

اسرار محبت نہ کبھی ہم سے پوچھئے
توحید کی کلید زباں ہو نہیں سکتی
الفاظ و عبارت کا پرستار ہے جہاں
حالت مری علماء سے بیاں ہو نہیں سکتی

❋

بیچ کر آیاتِ ربّانی نہ کھایا کر کبھی
آگ میں بنتے ہوئے دیکھا ہے کوئی گھر کبھی
علم سے عالم مؤدب ہو تو کوئی بات ہے
غیر ممکن ہے کوئی ہیرا بنے پتھر کبھی

❋

خلوت کا راز عشق ہے خلوت میں نور ہے
اور صاحبِ جلوہ کی محبت میں نور ہے
ہر دم رہیں جمالِ خداوند میں غریق
تنہائی میں اسرارِ محبت میں نور ہے

❋

دنیا کو استعمال کیا اور گذر گیا
آئی قضا تو قبر میں جا کر ٹھہر گیا
جنت وجہنم ترے اعمال کا صلہ
پائے گا وہی جس کی تمنا میں مر گیا

❋

حبّ دُنیا راس کلِّ خَطِیُئَۃٍ
چھوڑ دے ویران دُنیا کا چمن
انبیاء اور اولیاء بیزار ہیں
نفس پرور خواہشوں میں ہے مگن

❋

تو حدیثِ پاک کو ہرگز نہ بھول
شیخ کیا ہے کہ مریدوں میں رسول
شیخ وطالب کا تو ہے مطلوب ایک
شیخ کیا ہے کہ کتابِ حق نزول

❋

نفس ہے خناس بن ابلیس اور دنیا بہن
اور ان تینوں کے رشتہ دار ہیں ہر مرد وزن

لذتِ دُنیا طمع اور حرص کی میٹھی چھُری
لوگ مجذوبانِ دُنیا دیکھئے دیوانہ پن

تین انساں کے ہیں دُشمن اور تینوں رشتہ دار
فعل ان تینوں کے ایسے ہیں کہ بس توبہ شکن

❋

توحید میں قریبِ خداوند کیا ہے
ساقی مجھے شراب کا پابند کیا ہے
مجھ کو نہ ڈھونڈ اب میں عناصر نہیں رہا
ہستی کو میں نے یار کا پیوند کیا ہے

❋

میری مستی اور رتبہ میری ہستی دیکھنا
اُٹھ گیا میں درمیاں سے میری مستی دیکھنا
چند قطروں میں مجھے گم کر دیا ساقی مرا
آج کل مئے ہوگئی ہے کتنی سستی دیکھنا

❋

درمیانِ عین و غین تو اُلجھ کر رہ گیا
بجھ گئی تیری نگاہیں صرف منظر رہ گیا

ایک نقطۂ تعین کا تو ہنگامہ بھی دیکھ
مٹ گئی خود کی خدائی تیرا مظہر رہ گیا

بس انا کی بات ہے عارفؔ یہی تو روگ ہے
کی بہت کوشش مگر وہ میرے اندر رہ گیا

❋

لَایُؤْمِنُوْنَ اَکْثَرُھُمْ یہ وعید ہے
زاہد کی مگر منبر و مسجد میں عید ہے

گر شرک فی الوجود ہے باقی تو کچھ نہیں
ارکان دین کچھ نہیں دیدہ نہ دید ہے

کلمہ اگر خلوص سے پڑھتا ہے بتا دے
تو کون میں ہوں کون برا کیا سعید ہے

❋

فکر اک لمحہ کی عرفانِ خداوندی میں
زہد وطاعت وفرائض سے حسیں ہوتی ہے
فکرِ انسان سے بنتا ہے تصوف کا مزاج
فکر ہی علم ہے اور فکر یقیں ہوتی ہے

❋

سیکھ لے عشقِ محمد سے وفا کی تعلیم
علم وعرفان نہیں ہے تو قادری کیا ہے
دیکھ دنیا وشیاطین ہے مصلوب یہاں
تو نے سمجھا ہی نہیں شانِ عاشقی کیا ہے

❋

درس ہم خود کو وفا کا دے چکے
نفس کو فتویٰ فنا کا دے چکے
وہ ملے تو روح کو فرحت ملی
وہ مجھے جامِ طہورہ دے چکے

❋

تو قدرت وعظمت کا ہے شاہد کہ ادب سیکھ
کہتے ہیں یہاں سانس کا لینا بھی کفر ہے
اک لمحہ کی قربت بھی اگر ہوگئی حاصل
خود کا خیال دل سے گزرنا بھی کفر ہے

❋

مغرور کی صد سالہ عبادت سے ہے بہتر
عصیاں کی ندامت میں یہ بہتے ہوئے آنسو
افضل ہے صبر فکر تونگر کے شکر سے
انمول ہیں یہ درد میں ڈھلتے ہوئے آنسو

❋

وعدہ کیا تھا تجھ سے نبھانا پڑا مجھے
تو مل گیا تو خود کو چھپانا پڑا مجھے
دیدار سے بہتر نہیں جنت کی تمنا
تیرے لئے ہی دل کو بنانا پڑا مجھے

❋

اے عالم ظاہر ترا فقہ بھی ہے معقول
اکثر یہ عقل رہتی ہے ابلیس کی صف میں
عرفانِ خداوند کو سمجھا نہیں بشر
کتا شمار ہوگیا اصحابِ کہف میں

❋

نہ ممبر تھا نہ مسجد تھی نہ کعبہ تھا نہ خانہ تھا
تجھے سجدہ کیا تھا میں نے اور معبود مانا تھا
نہ آدم تھا نہ کفر و دین نہ ابلیس کا خدشہ
نہیں تھا کچھ بھی میرا کام اپنا سر جھکانا تھا

❋

ذکر روحی ذکر سلطانی ہے اے ناداں نہ کر
روح کیا ہے دل ہے کیا تجھ کو نہیں خود کی خبر
ذکر سلطانی نہیں، یہ نوح کا طوفان ہے
ایسے طوفاں میں سفر کرتے نہیں نازک بشر

❋

ہزاروں لگ گئے پیوند میری گدڑی میں
یہی ہے دینِ خداوند میری گدڑی میں

جنابِ عشق تو آزاد ہیں زمانے میں
تمہاری عقل ہے پابند میری گدڑی میں

نہ پوچھ میری فقیری کی انتہاء عارفؔ
جدا ہے جسم کا ہر بند میری گدڑی میں

❋

وہ خود ہی دم کا نور بنا دم میں آ گیا
قدرت خدا کی دیکھئے آدم میں آ گیا
زاہد کو جنتوں کی بہاروں میں چھوڑ کر
وہ مالکِ جنت تھا میرے غم میں آ گیا

❋

میں جان نہیں حق تھا اور حق قرآن تھا
میں جسم نہیں دل تھا خدا میری جان تھا

باریش محتسب یہاں بدنام ہو چکا
سنتے ہیں حسینوں پہ بہت مہربان تھا

واعظ لعن طعن میں تو مشہور ہو گیا
کہتے ہیں راہِ حق میں زرا بدگمان تھا

❋

سالک تو پرندوں سے توکل کا ہنر سیکھ
یہ کل کے لئے رزق کا ساماں نہیں کرتے
پرواز یہ کرتے ہیں توکل کے سہارے
مرغوب غذاؤں کا یہ ارماں نہیں کرتے

❋

عشق کی تاثیر دیکھی ہے یہاں
درد ہی زخموں کو دیتا ہے سکوں

آ گئے وہ میری صورت دیکھنے
کام آیا عشق میں میرا جنوں

عشق کا حملہ بہت ہی سخت ہے
سوکھ جاتا ہے رگوں میں سارا خوں

❋

یہ دور بہترین ہے علم و خطاب کا
اور لوگ بدترین عمل ہے عذاب کا
اک ہاتھ میں قرآن ہے اک ہاتھ میں حدیث
دنیا مگر ہے قبلہ وکعبہ جناب کا

❋

ہے علم رب کے واسطے عرفاں مرے لئے
الفاظ میں وہ معنٰی ہے فرماں مرے لئے
معراج کے مقام پہ پہنچی مری نماز
آخر کو کام آئی مری جاں میرے لئے

❋

علم کہتے ہیں جسے وہ قلب ہی کا نور ہے
فیض وفضل حق ہے لیکن قلب ہی معمور ہے
نور جس کا دل ہوا وہ طور کا ہمراز ہے
خود سے جو گم ہو چکا ہے وہ خضر مشہور ہے

❋

دیکھ آدم چار درجے ہیں ترے
کون سے درجے میں تو ہوگا فنا
پا کے اپنی معرفت خاموش رہ
تیرا مسکن لامکاں ہے دیکھنا

❋

آج بھی آتے ہیں فتوے کتاب والوں سے
ساقیا جلتے ہیں کچھ لوگ مئے کے پیالوں سے
تنگ و تاریک گذرگاہ سے بھاگے چھپ کر
ہم پریشان تھے دنیا ترے سوالوں سے

❋

وہ ولی اللہ آخر حق سے باحق ہوگیا
شب ہوئی عرفان کا خورشید شب میں سوگیا
مل گیا دریا سے قطرہ اور دریا بن گیا
پالیا سب حق کو پاکر ہم یہ سمجھے کھوگیا

❋

پی لے شراب رحمتِ یزداں کی چھاؤں میں
مانا کہ یہ حرام ہے زاہد کے گاؤں میں

آتے ہی تری بزم میں ایمان لٹ گیا
کس سادگی کا کفر ہے تیری اداؤں میں

آنکھوں سے قتل کرکے ڈبودے شراب میں
گھیری ہوئی ہے زندگی مجھ کو بلاؤں میں

بابِ حرم پہ چھوڑ کے آجاؤ شیخ کو
کیا کام پارسا کا ہے مئے کے گداؤں میں

❋

زوالِ عقل ہے ناداں غرورِ علم ترا
توعلم وعقل سے فائدہ نہ ہدایت پایا
منفعت بخش تھا سودا کہ سرکو دے کر بھی
تو خود ہی رازِ محبت کا ہوتا سرمایہ

❋

وہ مصور اور ہے تیرا تصور اور ہے
جلوۂ ہستی میں اس انساں کا پیکر اور ہے

شیشۂ عالم میں جانے کیا نظر آیا اسے
شمع ہے خاموش اس محفل کا منظر اور ہے

لذت دیدار میں ہے اک معمہ کیا کہوں
چیر کر وہ دل کو بولا ایک خنجر اور ہے

رفعت پرواز لکھ ائے کاتب تقدیر تو
توڑ دے لوح وقلم میرا مقدر اور ہے

❋

درمیانِ کفر و ایمان راستہ مل جائے گا
دیکھ لے شہ رگ میں جا کر بس خدا مل جائے گا

میں نگاہِ نیم روشن سے بہت بیزار ہوں
جان و دل کو ایک کر دے سلسلہ مل جائے گا

علم سے وصل و حضوری کب میسر آئے گی
عشق سے چل راہ میں اس کا پتہ مل جائے گا

عشق سے ہو جائے گا اہل نظر روشن ضمیر
علم سے بس خوابِ جنت کا صلہ مل جائے گا

❋

حکمت سے ہے آزاد تو ہر بات ہے بدتر
گر فکر سے خالی ہے خموشی لہو لعب
اخلاص، علم، صبر، قناعت سے ہے انسان
ابلیس تکبر ہے حسد کیا ہے بولہب
رکھا ہے چند روز عناصر کے سفر میں
اسباب کا حساب بھی لیتا ہے مسبب

❋

رشتہ دارِ دارِفانی پر خدا لعنت کرے
ہر قدم پر فقر کی جانب سفر رحمت کرے
جو بھی ہے تیرا ہے میرا کیا ہے جس کو چھوڑ دوں
کیوں پرائی چیز پر کوئی مرے، چاہت کرے
چل فریبی آگ ہے تو آگ میں جل میرا کیا
نفس میرا غیر ہے یہ غیر سے رغبت کرے

❋

جنابِ حق میں، حق ہی، حق ہے، حق میں اور کیا ہوگا
من و تو ہے نہ دوئی توئی کا کچھ شائبہ ہوگا
جدا ہے شوق انگیزی سے عشقِ بے ریا میرا
وہاں لے جائے گا مجھ کو جہاں میرا خدا ہوگا
سمجھ میں آ نہیں سکتی جمالِ حق کی رعنائی
اے عارف پیر گر کامل نہیں اس رہ میں کیا ہوگا

❋

عمر فقہ میں کٹی عشق میں کامل نہ ہوا
علم تھا دل کے کتب خانے میں حاصل نہ ہوا
صرف اللہ کو پڑھ لیتا کتابِ دل میں
جسم ظاہر میں ہے باطن میں مگر دل نہ ہوا
عشق ہے تیغ بکف آہ بھی کرنے نہ دیا
درد بن کر بھی ترے درد میں شامل نہ ہوا

❋

دوئی سے دور فقیری ہے اور فقیر بھی ایک
خدا بھی ایک پیمبر بھی ایک پیر بھی ایک
مجھے بھی رہنے دو دوئی کا فرق مٹ جائے
تمہاری زلف بھی اِک قید ہے اسیر بھی ایک

❋

آنسوؤں میں غم تمہارا کب چھپایا جائے گا
دل فراقِ عشقِ احمد میں جلایا جائے گا
سرفرازِ عشق ہیں تیرے غلاموں کے غلام
تو جسے چاہے اسے مولیٰ بنایا جائے گا

❋

ذکر کا نور ہے اسرار الٰہی کی کلید
ذوقِ شاہد میں اتر آتے ہیں انوار شہید

چشم بینا کو عطا ہوتا ہے اک نورِ کمال
ھو ، کی منزل میں نہیں آتا ہے شاہد کو زوال

وصل، دم، فیض و کرم عارفِ کامل کا یقیں
آنکھ اسرارِ خداوند ہے دل عرش بریں

❋

میری باتوں سے نہ سمجھا کون بندہ کیا خدا
پھر بھی اس میں رمز یہ ہے وہ جدا ہے ہم جدا
عبدیت میں نور ہے پر عبدیت کچھ اور ہے
نور مطلق ہے وہی معبودیت کچھ اور ہے
ہم نے مانا نور سے بندہ جدا ہوتا نہیں
نور میں ڈھل کر بھی یہ بندہ خدا ہوتا نہیں
شیخ رومی سے یہ نازک راز کو سمجھا کرو
مرتبہ کی ہر حفاظت پر نظر رکھا کرو

حاوی ہوا مرید اگر اپنے پیر پر
لعنت ہے دوجہان کی ایسے فقیر پر
محرومِ فیض و فضل سے اللہ کی پناہ
ایسے فقیر مرتے ہیں اکثر لکیر پر

بے شرع بے نماز ہیں دنیا شناس پیر
پھر بھی وہ مریدوں میں خدائے مجاز ہیں
غافل نہیں رہے کبھی دستِ سوال سے
کہنے کو طالبوں میں مگر بے نیاز ہیں
ہوتا ہے ہزاروں میں کوئی ایک بے نیاز
اس راز سے واقف تو مرے شہباز ہیں
اک حرف، اور حرف کے نقطہ میں علم ہے
نقطہ تو ہم نے پڑھ لیا ہم اہلِ راز ہیں
اُن کی حضوری خوب ہے عارف چلو چلیں
محمود اپنا پیر ہے اور ہم ایاز ہیں

اشعار

لوگ باہوش ہیں علماء کے بیانوں کی طرح
جو قلندر ہیں وہ جیتے ہیں دوانوں کی طرح

علم فقہ سے تو ظاہر میں بدن صاف ہوا
اہل دنیا میں مگر صاحبِ اوصاف ہوا

گر تو باطن کی صفائی کا طلبگار نہیں
دین احمد کی وراثت کا تو حقدار نہیں

شرع بنیاد ہے فقہ کی شرح لکھتا ہے
یا تو تقریر یا شعروں میں مدح لکھتا ہے

اشعار

فقر ہی عشق ہے اور عشق جدا ہوتا ہے
عشق عُشاق کے باطن میں خدا ہوتا ہے

صرف فقہ ہے، نہیں فقر تو یہ عیاری ہے
فقر ہے، فقہ نہیں ہے تو گنہگاری ہے

فقر سے آشنا ہوتے نہیں بے علم فقیر
علم ہی نور ہے اور علم ہے انساں کا ضمیر

باعمل ہے کوئی عالم تو مقدر سمجھو
بے عمل پیر کو شیطان کا افسر سمجھو

اشعار

اے قلندر بو علی چلمن اٹھا چہرہ دکھا
اپنی صورت میں ہمارے غوث کا جلوہ دکھا
سیر عرش و فرش میں پرواز اس نے دے دیا
ڈھونڈ لے عارف اسے آواز اس نے دے دیا

اشعار

دانا اگر ہے پیر کا طالب تو نظر رکھ
نقص و کمالِ شیخ طریقت کی خبر رکھ
گو مرشدِ ظاہر ہیں یہ صیادِ جہاں ہیں
تقریر میں اُستادوں کے استادِ جہاں ہیں
باطن میں یہ دنیا کے طلبگار و زار و خوار
لیکن زبان پہ اللہ اللہ کی گفتار

اشعار

عشق کا راز زمانے کو نہیں ہے معلوم
آگ ہی آگ ہوں شعلوں میں ڈھلا کرتا ہوں
سرخ آنکھوں سے مرے خون بہا کرتا ہے
میرے اشکوں نے مرے دل کو ہرا رکھا ہے

اشعار

❋

میں خانۂ خدا ہوں ذرا مجھ میں دیکھ لے
کہتے ہیں فرشتے بھی تو کعبہ مرے گھر کو

مقتول ہی سہی میں مرا مرتبہ تو دیکھ
آبِ حیات میں نے پلایا ہے خضر کو

اے عالمِ جیّد تو غزالی بنا تو کیا
اللہ کے الف سے نہ احمد سے مل سکا

کوئی سعید ازلی ہی جلتا ہے عشق میں
تو عاشق جنت ہے تجھے دل سے کام کیا

عُشاق کی رفعت کا تجھے علم نہیں ہے
ہے عشق کبھی عرش کبھی عرش کا خدا

شعر

❋

فقرِ ذات عین سے فانی کا تعلق ہوگیا
ذات کو خود سے نکالا ذات ہی میں کھوگیا

شعر

❋

لوحِ محفوظ کو پڑھنے کی تمنا ہے مجھے
ایک ہی حرف سے تختی کو سمجھنا ہے مجھے

شعر

❋

روح اور دل کو عطا کردے زندگی اپنی
یا عطا کردے مجھے روحِ باطنی اپنی

سلامِ اقدس

السلام ائے مرسلِ ختم نبوت السلام
السلام ائے نور وحدت جان رحمت السلام

انبیاء میں علمِ کُل شمعِ رسالت السلام
آپ ہی تفسیر میں قرآں کی صورت السلام

ہیں میرے مولیٰ علی بابِ مدینہ آپ سے
نور چشم مصطفیٰ حسنین نعمت السلام

خون میں کھلتے ہیں اکثر گلشن زہرہ کے پھول
اے شہید کربلا تیری شہادت السلام

بوبکر فاروق وعثماں اور علی شیر خدا
ان ستاروں کے نبی خورشید وحدت السلام

غیرممکن ہے ثناء کا حق ادا بندے سے ہو
بس خدا ہی آپ کی سمجھا حقیقت السلام

غوث اعظم باب سرّ و حدت انوار ہیں
وارثِ خیرالامم نورِ نبوت السلام

آپ کے اجداد کامل دین کے روشن چراغ
ائے شہ بغداد ائے شمعِ ہدایت السلام

علم وعظمت آپ کی ہستی پہ کامل ہوگئے
مخزن عرفان اور آقائے نعمت السلام

آپ کا اسم مبارک ہے محمد کا نشان
آپ کے اخلاق ہیں احمد کی سیرت السلام

آپ کے دربار میں آتے ہیں الیاس وخضر
آپ کا باطن فرشتوں کی عبادت السلام

میں برائے نام عارفؔ ہوں عطا کردے مجھے
تیرا صدقہ تیری رحمت تیری عظمت السلام

درود سلام

خاتمِ انبیاء پر درود و سلام
نورِ ذات خدا پر درود و سلام

احمد مجتبیٰ پر درود و سلام
حق ہیں وہ حق نما پر درود و سلام

عظمت الِ احمد پہ لاکھوں درود
رحمتِ مصطفیٰ پر درود و سلام

مظہرِ نور ہادی امام رُسل
خیر و خیرالوریٰ پر درود و سلام

اک نگاہِ کرم اے شفیع امم
مظہر کبریاء پر درود و سلام

لامکاں میں ہے عارفؔ خدا منتظر
بزمِ شام سرا پر درود و سلام